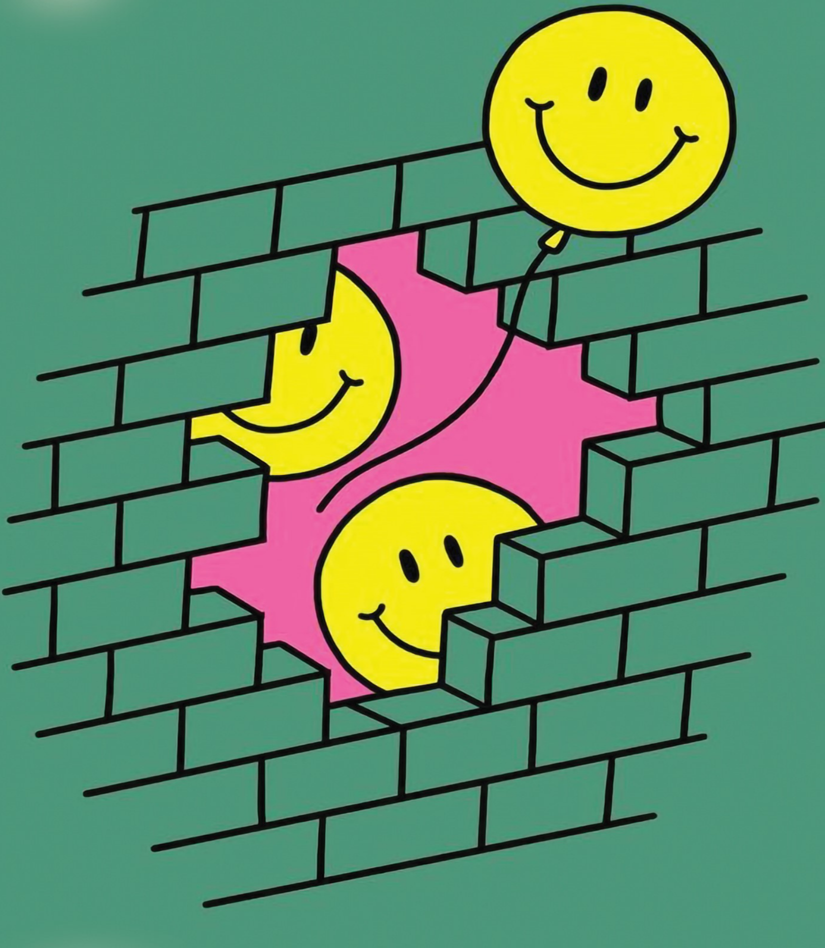
شگفتگو



نوید ظفر کیانی

بسم الله الرحمن الرحیم

گفتگو

(طنز و مزاح)

ستارہواں مجموعۂ کلام

نوید ظفر کیانی

مکتبۂ ارمغانِ ابتسام

https://archive.org/details/@nzkiani
nzkiani@gmail.com

اِن قہقہوں کی گونج میں دَبتے ہیں دُکھ سبھی
عرفاؔن کر کے شاعری کرتا ہوں غم غلط

عرفان قادر مرحوم

شاعرِ ظرافت

عرفان قادر مرحوم کے نام

جو ۲۵ اکتوبر ۲۰۲۵ء کو انجہانی ہوئے

اِس قدر

چُلبلاہٹ اور بیساختگی

بہت کم شاعروں کو

نصیب ہوتی ہے۔

مجموعۂ کلام	شگفتگو
صفحات	۲۲۰
شاعر	نوید ظفر کیانی
طبعِ اوّل	یکم دسمبر ۲۰۲۵ء
تعداد	لاتعداد
ناشر	مکتبۂ ارمغانِ ابتسام، اسلام آباد
ای میل	nzkiani@gmail.com
ویب سائٹ	http://archive.org/@nzkiani
قیمت	۷۰۰ روپے (برقی کتاب کا ہدیہ صرف دعائیں) ۱۰ امریکی ڈالر

فہرست



ڈجیٹل دور کا منفرد مزاح نگار

ڈاکٹر مظہر عباس رضوی

نوید ظفر کیانی ڈجیٹل دور کے وہ منفرد مزاح نگار شاعر ہیں جنھوں نے اپنی محنت شاقہ میں پبلشروں کو شراکت دار نہ بنانے کا تہیہ کیا ہوا ہے اور ان کے ہاتھوں بلیک میل نہ ہونے کی قسم کھا رکھی ہے۔ وہ اپنی یہ قسم مزاحیہ شاعری کی سولھویں کتاب ''شگفتگو'' کی پیدائش پر بھی توڑتے نظر نہیں آتے۔ ان کی کتابیں روشنائی اور کاغذ کے رنگ اور پیراہن سے آزاد ہو کر نت نئے دیدہ زیب طریقوں سے منصہء شہود پر اپنے جلوئے دکھاتی ہیں۔ کتب خانوں کی الماریوں کے بجائے انٹرنیٹ کے برقی ذرائع استعمال کرتی ہوئی نہ جگہ گھیرتی ہیں، نہ ان کی بوسیدگی کا کوئی خطرہ ہوتا ہے۔ جیب پر بار بنے بغیر با آسانی ہر ایک کی دسترس میں آجاتی ہیں اور پبلشر منہ دیکھتا رہ جاتا ہے، البتہ اس دفعہ ان کی کتاب ''شگفتگو'' بہت سے حوالوں سے مختلف نظر آتی ہے۔ سب

سے پہلے انتساب ہی کی بات کرلیں جو حال ہی میں انتقال فرمانے والے جواں مرگ شاعرِمزاح جناب عرفان قادر کے نام ہے جوخود مزاحیہ شاعری کی ایک عدد ای۔بک کے خالق رہے اوران کی یہ کتاب ان کی زندگی میں مروجہ طریقے کی نشرواشاعت سے محروم رہی مگر اس سے ان کی کتاب کی اہمیت میں کسی طور پہ کمی نہیں آئی کیونکہ مرحوم عرفان قادر کی شگفتہ شاعری انٹرنیٹ پہ بہت داد پا چکی تھی۔

اِس کے علاوہ اس دفعہ کیانی صاحب نے دوسری بدعت یہ کی ہے کہ کتابوں کی تعداد ، لاتعداد لکھ کر پانچ سو ،ہزار کتابیں چھپوانے والوں کو احساس کمتری میں مبتلا کر دیا ہے۔اُس پرستم بالائے ستم یہ کہ قیمت کا بھی تعین کر دیا ہے جو صرف سکہ رائج الوقت روپے ہی میں نہیں بلکہ عالمی وعلاقائی کساد بازاری کے باعث ڈالروں میں بھی لکھ دی گئی ہے۔وہ اپنی کتب پر تقاریظ لکھوانے کی بدعت کا آغاز دوسالوں سے کر چکے ہیں۔اس دفعہ بھی وہ اس سے باز نہیں آئے اور ہم خامہ فرسائی کرتے ہوئے یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ان تمام بدعات سے قطع نظر ان کی شاعری کا انداز ہمیشہ کی طرح اس بار بھی ظرافت آمیز، سیاست انگیز،اورتحیر خیز ہے۔ہمیشہ کی طرح اس کتاب میں بھی ان کی شعری رنگا رنگی بصورتَ غزل،نظم،قطعہ،پیروڈی ،لمرک،ترو ینی،اور گرہ کٹ گر ہیں موجود

ہے۔

نوید ظفر کیانی بامقصد طنز و مزاح کے معتقد ہیں ان کے اشعار میں غم جاناں سے غم دوراں تک ہر موضوع پایا جاتا ہے۔ملکی سیاست ہو یا عالمی سیاست،ان کا قلم کی رسائی ہر محاذ پر یکساں ہے ۔

مانا کہ بھکاری پی ایم ہو، دیکھو تو سہی سوچو تو سہی
”جس جھولی میں سو چھید کیے اُس جھولی کا پھیلانا کیا“

اور

جنگ کا ہے کی بھلا
اب تو اس کے نام پر
چودھری دھرتی کے کچھ
کر رہے ہیں تجزیے
حرفتِ حربی کے کچھ
اپنے خطے سے پرے
بیوقوف اقوام پر

نوید ظفر کیانی دو برقی رسالوں کے مدیر بھی رہے ہیں۔وہ ایک زود گو شاعر ہیں اور ہر ہفتہ مختلف بزم ہائے شاعری کے تحت ردیفی و غیر ردیفی

مشاعرے بھی منعقد کرواتے رہتے ہیں ۔اسی لیے اُن کی شاعری میں ہمیں بہت منفرد ردیف بھی نظر آتے ہیں جیسے سونگھ، صلح، دھڑا دھڑ، منسوخ، لومڑی، گھن گرج، محبوب کی گلی سے، سہرہ پڑھا، رب دی سونھ، مجھے وارا نہیں کھاتا، وغیرہ ۔ایسے ردائف نبھانا کوئی آسان کام نہیں اور بلاشبہ یہ ان کی شاعرانہ ریاضت کا ثمر ہے ۔ذرا دیکھیے کہ وہ اپنی غزل میں ایک بہت لمبے ردیف "بس اب اس سے زیادہ اور کیا کہیے" کو کس خوبصورتی سے نبھاتے ہیں ۔

سیانوں کا یہ کہنا ہے ،علاجِ عشق و سرمستی
حجامت ہے ،بس اب اِس سے زیادہ اور کیا کہیے

نوید ظفر کیانی کی شعری چابکدستی ہر صنف سخن پر حاوی ہے ۔

غزل

وہ جو خوش قسمت تھے اپنی گاڑیوں میں تن گئے
آپ ہم جیسے کسی ویگن میں مرغا بن گئے

اس لیے میرٹ کے ہتھے تک نہیں آئے کبھی
کام آئے آپ کے مامے کبھی ، تائے کبھی

قطعہ

کبھی کسی کو بھی خوش نہ آئے
نہ وین و ٹیکسی نہ کار و لاری

ہمیشہ سے بیویوں کو بھائے
میاں کے اعصاب کی سواری

نظم

سب محلہ شکار اُلجھن کا
کیا کرے گی وہ ایسے جوبن کا
کوئی ساتھی نہیں ہے جیون کا
اپنے کتے کے ساتھ نکلی ہے

تروینی

کل کرکٹ میچ ہوا
پاکستان کا بھارت سے

لیکن بارش جیت گئی

نویدظفرکیانی کا کلام زودگوئی کے باعث کہیں کہیں رطب و یابس کا گمان لاتا ہے ۔اگر غالب اوراقبال جیسے نامورشعرا بھی اپنا سارا کلام منظرعام پرنہیں لائےتو نویدظفرکیانی بھی اس اُصول کواپناتے ہوئے چناؤکے اس دور میں صرف بہترین کلام سے مزین مجموعہ ہائےکلام کیوں نہیں لاسکتے ۔ای۔ بُک کیونکہ صفحات کی قید،اوراشاعت کی گرانی سے شاعرکو مامون ومحفوظ رکھتی

ہے شاید اس لیے کیانی صاحب اس پر توجہ نہیں دیتے وگرنہ اُن کا کلام کسی سے کم نہیں اور ذیل میں درج اشعار ان کی فنی مشاقی،اور حس ِظرافت کا منہ بولتا ثبوت ہیں:

ے اِسی کو تو کہتے ہیں بوٹی کڑہی کی
کوئی مجھ سے پوچھے پکوڑے کی قسمت

ے تمباکو نوشی مضر ہے صحت کے واسطے
سگرٹ کے اشتہار مگر سود مند ہیں

ے اپنا ڈب کھڑبا سا دیکھتا نہیں چہرہ
اور پھرتا رہتا ہے آئینہ بکف وہ شوخ

۲۰۳ صفحات پر مشتمل نوید ظفر کیانی کی یہ تازہ ای۔بُک آج کل کی کساد بازاری میں طبیعت کی تازگی بحال کرنے کا مفت نسخہ ہے۔مگر اس کو مفت سمجھ کر ان کی گراں قدر شاعری کو ارزاں نہ سمجھا جائے۔

یہ کیانؔی کا سولہواں نسخہ
"مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے"
پڑھ کے اس کو بتائیں پر مظہرؔ
کوئی اِس جیسا دوسرا کیا ہے

میں نوید ظفر کیانی کو ان کی تازہ ای بُک کی اشاعت پر دلی مبارک

بادپیش کرتا ہوں اس دعا کے ساتھ کے وہ اسی طرح محروم لوگوں کو ہنساتے مسکراتے رہیں اور اپنے مضمون کا اختتام ان کے خوبصورت اور منفرد اختتامی قطعہ سے کرتا ہوں:

ایک بھی پیشانی پہ آیا نہ بل
ہم نے بجوایا ہے اپنا بینڈ تک
چاہتے ہیں کہ کسی صورت ظفرؔ
زندگی چلتی رہے The End تک

پیش رس

طنز و مزاح پر مبنی میرا استاہواں مجموعۂ کلام حاضر ہے۔ اِسے بھی فی الحال برقی کتاب کی صورت میں پیش کر رہا ہوں لیکن امید ہے کہ کبھی اِس کلام کو بھی صفحات کی خوشبو سے مانوس کرلوں گا،محدود پیمانے پر ہی سہی۔

اگر چہ اِس کتاب کا نام "شگفتگو" ہے اور تقریباً اس کتاب کا بیشتر کلام طنز و مزاح پر مبنی ہے لیکن میں اِسے سبدِ تبسم و اشک سمجھتا ہوں۔ اِس کتاب کے ڈھیروں مسکراہٹوں کے درمیان دو آنسو بھی جگمگا رہے ہیں۔ایک آنسو عزیزم عرفان قادؔر ہیں۔ اِس جواں سال لیکن خوش نوا کے فکاہی کلام میں اِس قدر چلبلاہٹ اور برجستگی ہوا کرتی تھی کہ ایک عالم اِن کا دیوانہ تھا۔اِن کا مجموعۂ کلام گو روائتی طور پر شائع نہیں ہوا ہے لیکن مرحوم نے بھی ڈیجیٹل ورلڈ کی سہولتوں سے استفادہ کیا اور اسے برقی کتاب کی شکل دے کر اپنے کلام کے رنگوں کو بین الاقوامی کینوس پر پھیلا دیا ہے۔اب اِن کے کلام کے چٹکلے ہر کسی کی رسائی میں ہیں۔ یہ صورتِ حال اُن شعراء کی کتب کی اشاعت سے کہیں بہتر ہے جو اپنے کلام کو روائتی طور پر شائع کرتے ہیں لیکن پھر اُن کا کلام چند ایک

اہلِ ادب رفقاء کے ذاتی کُتب خانوں کی زینت بن کر رہ جاتا ہے، ہاں البتہ ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ صاحبِ کتاب کی جانب سے دیا گیا کتاب کا تحفہ اُس کے قیمتی دستخط اور محبت بھرے پیغام سمیت اتوار بازار میں فٹ پاتھوں کی زینت بنا نظر آتا ہے اور حسرت سے آتے جاتے لوگوں کی جانب دیکھتا ملتا ہے۔

دوسرا آنسو نورم خان یا نور محمد خان ہے۔نورم خان روشنیوں کے شہر کراچی کا ایک چمکتا ہوا ستارہ تھا جو اب زمین سے آسمان پر منتقل ہو کر کروڑوں ستاروں کے جلو میں جھانک جھانک کر اہلِ زمین کی کج رائیوں کو طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ دیکھ رہا ہے۔نورم خان فیس بُک پر ”اُردُو طنز و مزاح“ کے منتظمین میں شامل رہا ہے۔نہایت برجستہ، چلبلا اور زندہ دل انسان تھا۔سوشل میڈیا میں خاصا متحرک تھا، اپنے نقطۂ نظر کو نہایت جُرات و بیباکی سے بیان کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔کئی اخبارات و رسائل کو اپنی خوشبوؤں سے مہکاتا رہا ہے۔اُن کے کالم میرے برقی مجلّے ”ارمغانِ ابتسام“ میں بھی شائع ہوتے رہے ہیں۔ ۱۵ اکتوبر ۲۰۲۵ء کو اُن کا انتقال ہو گیا۔

دوسرے مجموعہ ہائے کلام کی طرح اِس مجموعے میں بھی میری کوشش رہی ہے کہ اِسے بھی میں گوناگوں اصنافِ ادب کی رنگارنگی سے روشناس کروں تاکہ اِس تاثر سے چھٹکارا حاصل ہو کہ فکاہی کلام محض چند ایک

اصنافِ سخن کے سانچے کا مرہونِ منت ہے۔ اِس سلسلے میں چند ایک لمرک بھی اِس کتاب میں شامل ہیں جو انگریزی ادب میں خالص مزاحیہ صنف ہے لیکن اُردو میں اسے ویسی پذیرائی نہیں مل سکی جیسی سانیٹ، نظمِ معریٰ وغیرہ کو حاصل ہوئی۔ علاوہ ازیں تروینی اور ترائیلے کی اصناف کو بھی ظرافت نگاروں نے نظر انداز کیا ہے، کچھ تروینیاں بھی اِس مجموعۂ کلام میں شامل ہیں۔ "نظمِ معین" جو میری اپنی اختراع ہے، وہ بھی اِس کتاب کا حصہ ہے۔ اُمید ہے کہ میری یہ مساعی رجحان ساز بنیں گی تاکہ اُردو طنز و مزاح کے کینوس کو موضوعات کے ساتھ ساتھ اصنافِ ادب کے ضمن میں بھی مزید وسیع کیا جا سکے اور مجھ جیسے فکاہی ادب کے نو آموز اور مبتدی کے ساتھ ساتھ پختہ کار مزاحیہ شعراء بھی اِن میں طبع آزمائی کریں اور یوں اُردُو ادب میں بھی ظرافت کے نئے اُفق دریافت کئے جا سکیں۔

احقر

نوید ظفر کیانی

یکم دسمبر ۲۰۲۵ء

خُوں شریکوں کا کھولانا ہے عبث
بے افادہ تلملانا ہے عبث

اب یہ بلّے پر ہے جو چاہے کرے
مرغیوں کا کُڑکُڑانا ہے عبث

کون سُنتا ہے تری آہ و فغاں
آسماں سر پر اُٹھانا ہے عبث

جب نہیں تجھ میں شعورِ احتجاج
تو بِلوں پر بلبلانا ہے عبث

عشق اِس کو بھی سمجھتا ہے ادا
حُسن کا ڈھینگا دکھانا ہے عبث

ایک تو تیری جگت پھیکی سی ہے
اور اِس پر ہنہنانا ہے عبث

تلخئ گفتار سے ہیں بے مزا
سو تمھارا یہ مکھانا ہے عبث

آپ ہیں پونڈوں سے چندھیائے ہوئے
آپ کے ہاں آنا جانا ہے عبث

بڑھ چکی پہلے ہی آبادی بہت
شیخ جی کا کارخانہ ہے عبث

یونیورسٹی میں ہی ہوجاتا وصال
چھت پہ ننگے پاؤں آنا ہے عبث

کیا بنانا تھا اِسے اِسلاف نے
یہ جو "ریپبلک بنانا" ہے عبث

ٹیڑھے آنگن میں ثقافت مت دکھا
ناچنا اور یہ نچانا ہے عبث

مُڑ کے پڑ سکتا ہے کوئی، سوچ لے!
سب کو ہی آگے لگانا ہے عبث

دِن دیہاڑے دِل چُرا بیٹھا ہے تُو
اب ترا نظریں چُرانا ہے عبث

ایک شعر

لطیفوں کے آئندہ امکاں بہت ہیں
سیاست میں چاہت فتح خاں بہت ہیں

سٹور روم

میرے چچا جان ہیں انگلینڈ میں
کیا ہوا جو میں نہیں پاتا ہوں گھوم
ہاں مگر لنڈے سے لے آتا ہوں سوٹ
یہ بھی اُن کا ہی ہے اک اسٹور روم

عقل فوبیا

عمر کے نقشے میں تبھی ہم تم
کچھ خرام وقیام ڈالیں گے
ہو گا خوش چودھری نظام الدّین
عقل کو جب لگام ڈالیں گے

(مسرور انور کی غزل کی پیروڈی)

ہم کو لتّر کس نے مارا یہ کہانی پھر سہی
کس نے پھوڑا سر ہمارا یہ کہانی پھر سہی

گھر جوائی کون ہے، پوچھو نہ سب کے سامنے
نام آئے گا تمہارا یہ کہانی پھر سہی

ہر کوئی بہرہ ہو جیسے دوستوں کے شہر میں
ہم نے کس کس کو پکارا یہ کہانی پھر سہی

آم کے ٹھرکی تو سارے یار تھے "تمہوڑیو!"
پہلا پتھر کس نے مارا، یہ کہانی پھر سہی

کیا بتائیں لوڈو کی بازی تھی تیرے باپ سے
کون جیتا کون ہارا یہ کہانی پھر سہی

وہ



ابھی نُکّڑ پہ تھے جمع ٹھرکی
گفتگو کا وہی تو مرکز تھی
یک بیک یوں گلی میں آ نکلی
جیسے باتوں سے بات نکلی ہے

کان تن فن گئے دھیانوں کے
منہ کھلے رہ گئے جوانوں کے
آ گئے امتحاں ایمانوں کے
کیا نفی مع ثبات نکلی ہے

اِک مرقّعِ دلبری ہے وہ
ہو بہو قاف کی پری ہے وہ
دولتِ حُسن سے بھری ہے وہ
اور دینے زکواۃ نکلی ہے

ایوننگ واک کی یہ شیدائی
رنگ و بُو پہن کر چلی آئی
یا کوئی عطر بیز پُروائی
لے کے رُت کی برات نکلی ہے

سب محلہ شکار اُلجھن کا
کیا کرے گی وہ ایسے جوبن کا
کوئی ساتھی نہیں ہے جیون کا
اپنے کُتّے کے ساتھ نکلی ہے

خود کو جب بتلاؤں صحافی، پڑ جاتی ہے گالھ
سب کہتے ہیں مجھے لفافی، پڑ جاتی ہے گالھ

مار رہا ہے "پھڑیں" جو آ کے، وہ خود اپنے گھر
سالن مانگے اگر اضافی، پڑ جاتی ہے گالھ

گھر والی کا رونا امّاں سے جب روتا ہوں
مل جاتا ہے زرِ تلافی، پڑ جاتی ہے گالھ

لسّی کے شیدا ہیں دادا، رکھیں گھنٹا مان
اُن کے سامنے مانگوں کافی، پڑ جاتی ہے گالھ

توبہ توبہ! کر جاتے ہیں کتنی چھوٹی بات
قد میں ہیں وہ لاکھ زرافی، پڑ جاتی ہے گالھ

--- ق ---

مولانا ہیں دِل سے داعی اعلیٰ قدروں کے
بات اگر ہو جائے منافی، پڑ جاتی ہے گالھ

کم فہمی پر غصے میں آجاتے ہیں موصوف
بسکہ فوراً شافی پڑ جاتی ہے گالھ

جب کہتے ہو، جس پر ہم نے ظلم و جبر کیا ہے
ہم سے مانگے آپ معافی، پڑ جاتی ہے گالھ

سچائی کے بارے میں یہ دعویٰ کون کرے
یہ بھی ہے اِک خُو اوصافی، پڑ جاتی ہے گالھ

بجلی کا بل گرے سبھی پر بجلی بن بن کر
ریٹ میں یہ تخفیف ہے ٹافی، پڑ جاتی ہے گالھ

کیا قصاب سے پوچھا جائے لے کر پاؤ مٹن
گوشت ہے اس میں کتنا صافی، پڑ جاتی ہے گالھ

بس اِتنی ”گالھوں“ پر کیوں ہے کیسانی ٹھنڈا ٹھار
اور بھی مل جاتے ہیں قوافی، پڑ جاتی ہے گالھ

آئی ایم ایف

سامنے ہو آسان سا رستہ
تو کیوں کیجے بک بک جھک جھک
بسکہ دوڑ ترقی کی ہے
آئی ایم ایف سے آئی ایم ایف تک

بینگن

(نظمِ معین)



بینگن
جس تھالی کا
ہوں اب وہ بھی بھر بھر
دے بینگن سارے ہی ہفتے
تنگ ہوا کھا کر
میں تو یارا
بینگن

جب دیکھی مری جانب سے نقدِ سخا منسوخ
تو کر دی گداگر نے ترسیل دعا منسوخ

لیلیٰ پہ بھی سنسر ہے، مجنوں پہ بھی ایم پی او
قانونِ محبت رد، آئینِ وفا منسوخ

بیکار ہی لوگوں کو تم شرم دلاتے ہو
اِس دور میں تو ناداں ہے خوفِ خدا منسوخ

انصاف و صداقت کا تو لونگ گواچا ہے
ناخلف عدالت میں ہر کارِ روا منسوخ

دو چار مہینوں کی تاخیر ہے شادی میں
ہو پایا کہاں ہائے خطرۂ قضا منسوخ

”کٹ کھنے“ سے افسر سے ریلیف ملے کیسے
تعمیل مؤخر ہے، آرڈر نہ ہوا منسوخ

مانع ہو کوئی کھیڑا یا جتھا رقیبوں کا
تشریف کو ”سُرخاتی“ ہر ایک بلا منسوخ

جب آپ کے سنگ اپنا، جیون ہوا اِک سپنا
تو آپ پہ سو جاں سے مرنے کا جُوا منسوخ

آیا ہے مجھے نوٹس محصول ادا کیجے
بلڈنگ ہے وہی جس کی کر دی تھی بنا منسوخ

اوروں کو جو دیکھا ہے پٹتے ہوئے کیانی نے
ازخود ہی کئے بیٹھا ہے صدق و صفا منسوخ

آئینہ

افسر ہمیں جو بھاشن دیتے ہیں شوق سے دیں
لیکن ذرا سا پہلے آئینہ بھی تو دیکھیں
جب ڈانٹتے ہیں صاحب تو ڈھیٹ بن کے بابو
کیوں زیرِ لب تبسم فرماتے ہیں، یہ بھی سوچیں

بلاوجہ

ہم کو چھوڑا نہیں کہیں کا مگر
خود بھی کس کے قریں ہیں وہ ظالم
کر نہیں پائے ہیں وفا تو کیا!
بے وفا بھی نہیں ہیں وہ ظالم

لاڑا

(نظیر اکبر آبادی کی نظم "جاڑا" کی پیروڈی)

سہرے میں جلوہ ڈھلتا ہو تب دیکھ تُو شانیں لاڑے کی
اور رہ رہ پوز بدلتا ہو تب دیکھ تُو شانیں لاڑے کی
گھوڑا ابھی جلدی چلتا ہو تب دیکھ تُو شانیں لاڑے کی
سسرال کی اور پگلتا ہو تب دیکھ تُو شانیں لاڑے کی
دِل بلیوں خوب اچھلتا ہو تب دیکھ تُو شانیں لاڑے کی

زوروں سے بینڈ چنگاڑا ہو اور دُھن بجتی ہو فلمی سی
باجوں نے زور اکھاڑا ہو، بکھری ہو ہر سو موسیقی
ہو شور سا پوں پوں پوں پوں کا، آواز ہو پی پی پی پی کی
سِکّوں پر سکّے برسے ہوں، بیلوں میں مگن ہوں سب سنگی
بچوں کا کام نکلتا ہو تب دیکھ تُو شانیں لاڑے کی

خوش پوش ہر اک باراتی ہو اور دیکھ رہا ہو یہ چکر
آپس میں گپ شپ ہوتی ہو اور تاڑ بھی جاری اِدھر اُدھر
دِل ایسے دھک دھک کرتا ہو جوں برف پگلتا ہو پتھر
لاڑے کی چھٹی حس سڑتی ہو رہ جاتا ہو لہریں لے لے کر
بس اُس کا نہ کچھ بھی چلتا ہو تب دیکھ تُو شانیں لاڑے کی

ہر چار طرف سے گھیرے ہوں، ہر کونا بھرا ہو کوٹھوں کا
رانی کا، ناز کا، شبنم کا، ہر دیدہ دیکھیں گوند لگا
نظروں میں تجسس اُمڈا ہو اور دِل میں تماشے کا لپکا
آپس میں ہنس ہنس کہتی ہوں، وہ دیکھو اِک اوباش کھڑا
اوباش بھی خوب "پگلتا" ہو تب دیکھ تُو شانیں لاڑے کی

ترکیب بنی ہو مجلس کی اور بھنگڑا ناچنے والے ہوں
سب رقص کناں ہوں یار سجن اور بیچ گلی میں ہالے ہوں
پگ سروں پہ زردی مائل ہوں اور شانوں پہ "پرنے" ڈالے ہوں
کچھ ناچ اور رنگ کی دھو میں ہوں کچھ موج میں سب متوالے ہوں
اور شور بھی ساتھ میں چلتا ہو تب دیکھ تُو شانیں لاڑے کی

جب ایسا شغل بپا ہو تو رہگیروں کی بھی گھاتیں ہوں
اِس رنگیں و سنگیں منظر میں کھوئی ہوئی سب کی ذاتیں ہوں
ایڑی پر سب ہوں کھڑے ہوئے، حظ لیتی ہوئی اوقاتیں ہوں
کچھ کھسر پھسر ہو آپس میں، کچھ کھٹی میٹھی باتیں ہوں
نوٹنکی میں جب ڈھلتا ہو، تب دیکھ تُو شانیں لاڑے کی

بارات کا فُل ہنگامہ ہو، کھسرے بھی کھڑے ہوں آ آ کر
ہو جائے گا لطف دوبالا، جب یہ ناچ دکھائیں گے تُس پر
یہ دلبر، شوخ، پری، چنچل، ہے دھوم مچی جن کی گھر گھر
دلہن والوں کی چوکھٹ پر یہ رنگ جمائیں لہرا کر
لُچ ساتھ جو اِن کا تلتا ہو، تب دیکھ تُو شانیں لاڑے کی

دلہن کا مکاں ہو سجا ہوا اور ویلکم کی تیاری ہو
چلمن کی اوٹ سے کڑیوں نے سو ناز سے جھاتی ماری ہو
دل تاڑ دولہا کا ان سب کو ہر ناری پر ہی واری ہو
اور شوخوں کی سرگوشی میں دولہا پر پھبتی کاری ہو
جب یوں ارمان نکلتا ہو تب دیکھ تو شانیں لاڑے کی

کیسی چال چلتی ہے، یہ بھی دیکھ لیتے ہیں
پاؤں کیوں کچلتی ہے، یہ بھی دیکھ لیتے ہیں

کس طرح کی چکنائی روئے یار پر آئی
کیوں نظر پھسلتی ہے، یہ بھی دیکھ لیتے ہیں

پنڈی وال کے جیسا عشق کر سکے گی کیا
وہ کُڑی جو "بلتی" ہے، یہ بھی دیکھ لیتے ہیں

ہر کسی پہ "انھے وا" اعتبار اپنا ہے
کس طرح کی غلطی ہے، یہ بھی دیکھ لیتے ہیں

مرد سب پہ ہیں قرباں، کاہے ہر زنِ ناداں
دوسری سے جلتی ہے، یہ بھی دیکھ لیتے ہیں

ویسے خوب ہیں لمبے، عقل کے بھی ناخن لے
پگلی کیوں "پگلتی" ہے، یہ بھی دیکھ لیتے ہیں

بُو، ہے کیوں؟ جلایا ہے دِل میاں کا بیگم نے؟؟
یا پکوڑے تلتی ہے، یہ بھی دیکھ لیتے ہیں

سامنے کی چھت پر ہے بھیڑ سی حسینوں کی
کیا سٹوری چلتی ہے، یہ بھی دیکھ لیتے ہیں

جان کر وہ کیوں کالا بلا، حضرتِ والا
راستہ بدلتی ہے، یہ بھی دیکھ لیتے ہیں

خر دماغ "وڈکے" یہ بات کیسے سمجھیں گے
خلق کیوں اُبلتی ہے، یہ بھی دیکھ لیتے ہیں

ظاہراً تو جانِ جاں اک وفا کی پُتلی ہے
کل کو کیا نکلتی ہے، یہ بھی دیکھ لیتے ہیں

رکشے کا پائلٹ

شوقِ پرواز ہے بہت اس کو
کیا کوئی مشتری پلٹ ہے یہ
پاؤں ٹکتے نہیں زمیں پہ ظفرؔ
کسی رکشے کا پائلٹ ہے یہ ؟

اللہ ہی جانے کون بشر

کس جگہ، کس نے، کدھر، کس کی طرف سے، کس کو
آگہی دی ہے یا ابہام دیا ہے جانے
کون آیا ہے کہاں کس کے لئے کا ہے کو
کس نے کس کا کسے پیغام دیا ہے جانے

"بہت کچھ" پہ چسپاں ہے "تھوڑے" کی قیمت
گدھے کے برابر ہے گھوڑے کی قیمت

اِسی کو تو کہتے ہیں بوٹی کڑہی کی
کوئی مجھ سے پوچھے پکوڑے کی قیمت

جو مجنوں کا لیلیٰ سے پوچھا تو بولی
مرے ٹھینگے پر ہے نگوڑے کی قیمت

وہی رستہ بہتر جو منزل کو جائے
نہ سوڑے کا بھاؤ نہ چوڑے کی قیمت

مرے دیس میں civilian کی نہیں ہے
کہ جتنی ہے کیڑے مکوڑے کی قیمت

کئی سبزہ زاروں کے گھوڑے بھی ہوں گے
مسافت نہیں ہر بھگوڑے کی قیمت

ہیں سیرِ کراچی کے پیکج میں شامل
کیماڑی کے چکر، منوڑے کی قیمت

کوئی میری پھٹڑ سماعت سے پوچھے
تری گفتگو کے ہتھوڑے کی قیمت

زیادہ ہے صبر و تحمل سے اب کے
گرانی کے بیدرد کوڑے کی قیمت

نہیں لیتا تیری سٹینو سے پنگا
سمجھ کر ہتھیلی کے پھوڑے کی قیمت

ظفرؔ تو لفافوں کا قائل نہیں ہے
فقط داد ہے اِس ہنسوڑے کی قیمت

کھیسا کھولو!

(سلیم کوثر کی نظم "کھڑکی کھول دو" کی پیروڈی)

دم گھٹتا ہے
جن کے منہ پر ڈھاٹا لگا ہو کب چھٹتا ہے
دم گھٹتا ہے
اپنے دیس میں کالے دھن کا چلن بہت ہے
اس میں رہنا اور کمانا صاف اور ستھرا
کٹھن بہت ہے
بارہ بور کے پسٹل کے بل
کیا کھویا کیا پایا ہم نے
چھوڑو بھی، جانے دو صاحب
تم سے بس اتنا کہنا ہے
کھیسا الٹو
مال سبھی آنے دو صاحب
دم گھٹتا ہے
جن کے منہ پر ڈھاٹا لگا ہو کب چھٹتا ہے
دم گھٹتا ہے

چارہ گر

نرالے چارہ گر ہیں آج کل کے
مسیحائی عجب کی ہے اُنہوں نے
اُنہیں جب بھی بتایا حال دِل کا
الرجی کی دوا دی ہے اُنہوں نے

سگریٹ کے اشتہار

ہم کو نشہ پسند نہیں مطلقاً مگر
جو اِس میں سے کشید ہیں پیسے پسند ہیں
تمباکو نوشی مضر ہے صحت کے واسطے
سگریٹ کے اشتہار مگر سُود مند ہیں

حُسن جاتا ہے جدھر، وہ بھی گھما لیتے ہیں منھ
اور ہم کو دیکھ کر کیسا بنا لیتے ہیں منھ

جتنا بنتے ہیں جلی، اُتنے ہی رہتے ہیں خفی
خوب پردہ ہے کہ میک اپ میں چھپا لیتے ہیں منھ

بعضوں پر نظریں پڑیں تو پوچھنے کا جی کرے
جسم پر اِتنا بڑا کیسے چڑھا لیتے ہیں منھ

کیا کریں جب کر کے رکھ دیتی ہیں جگتیں لاجواب
دِل سڑے جاتا ہے لیکن مسکرا لیتے ہیں منھ

جب مری باتیں اُنہیں چبھتی ہیں سوئی کی طرح
وہ غبارے کی طرح خود ہی پھلا لیتے ہیں منھ

"مسکری" کرتے ہیں تو لگنے نہیں دیتے پتہ
جوک جب کرتے ہیں تو اکثر سُکھا لیتے ہیں منھ

کوئی کوئی بھونڈ ایسا ہوتا ہے، توبہ بھلی!
تاڑتی نظروں سے بھی درس حیا لیتے ہیں منھ

جلنے والے کہتے ہیں "لو، بوتھا چُک کے آ گئے!!"
جیسے یہ خود اپنے ہی گھر میں رکھا لیتے ہیں منھ

وقت پڑنے پر دھریں آنکھیں جو ماتھے پر ظفرؔ
سوچتا ہوں، بعد میں کیسے دکھا لیتے ہیں منھ

ٹبّرٹور

یُوں تو کہتے ہیں کہ یہ ملک ہے کُوڑے کا ٹرک
جھولے لینے سے مگر باز نہ آئیں یکسر
قوم کے مال پہ کرنے لگے عیاشی ظفرؔ
مقتدر ٹور پہ جانے لگے ٹبّر لے کر

سیلاب مبارک

کشکولی سرکار نے پھر سے دنیا سے
بیرونی امداد کا وعدہ اینٹھا ہے
آتا ہے سیلاب خدا کا قہر بنے
یا بلّی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا ہے

مٹی پلید



(فلم "سہیلی" کے لئے لکھے گئے شباب کیرانوی کے نغمے کی پیروڈی)

چنگاڑ، وہ مُردوں کو جگاتی ہوئی چنگاڑ
گھر بھر کو "اٹینشن" سا بناتی ہوئی چنگاڑ

بادل کے گرجنے کی صدا ہم نے سنی ہے
بجلی کے کڑکنے کی صدا ہم نے سنی ہے
طوفاں کے ڈپٹنے کی صدا ہم نے سنی ہے
لیکن وہ کہاں، ہوش اُڑاتی ہوئی چنگاڑ
چنگاڑ، وہ مُردوں کو جگاتی ہوئی چنگاڑ

چنگاڑ سے ہوتی ہے سدا چہرہ نمائی
سنتے ہی جسے منٹوں میں حاضر ہو خدائی
بیگم جی! دہائی ہے، دہائی ہے، دہائی
تارے ہمیں دن میں بھی دکھاتی ہوئی چنگاڑ
چنگاڑ، وہ مُردوں کو جگاتی ہوئی چنگاڑ

کر دیتی ہے ہمسائے کی سِٹی کو بھی یہ گم
دیکھو گے مسافر کو بدکتے ہوئے بھی تم
ایف سولہ کی چنگاڑ سا ہے سوز و تکلم
ہر بار قیامت کو بلاتی ہوئی چنگاڑ
چنگاڑ، وہ مُردوں کو جگاتی ہوئی چنگاڑ

شوہر کے دل و جان پہ بجلی سی گرا دی
یوں گرجی، ستمگار نے دھرتی ہی ہلا دی
ہر سمت سے گھر والوں نے اک دوڑ لگا دی
پاؤں میں مرے پہیئے لگاتی ہوئی چنگاڑ
چنگاڑ، وہ مُردوں کو جگاتی ہوئی چنگاڑ

کہا مہمان کا ڈر ہے، کہا مہمان تو ہو گا
کہا نقصان کا ڈر ہے، کہا نقصان تو ہو گا

کہا اُس در سے ہو آئیں، کہا اُس در سے ہو آؤ
کہا دربان کا ڈر ہے، کہا دربان تو ہو گا

کہا کر لیں حکومت ہم، کہا کر لو حکومت تم
کہا عمران کا ڈر ہے، کہا عمران تو ہو گا

کہا تُر کی کھسک لیں ہم، کہا تُر کی کھسک لو تم
کہا ایران کا ڈر ہے، کہا ایران تو ہو گا

کہا رتجیم پھر بدلیں، کہا اِس بار مت بدلو
کہا بحران کا ڈر ہے، کہا بحران تو ہوگا

کہا کچھ ہوٹلنگ کرلیں، کہا جی ہوٹلنگ کرلو
کہا رمضان کا ڈر ہے، کہا رمضان تو ہوگا

کہا یونی میں پڑھ لیں ہم کہا یونی میں پڑھ لو تم
کہا رومان کا ڈر ہے، کہا رومان تو ہوگا

کہا عہدِ وفا کرلیں، کہا عہدِ وفا کرلو
کہا نسیان کا ڈر ہے، کہا نسیان تو ہوگا

کہا بیگم کو کچھ بولیں، کہا یہ رسک بھی لے لو
کہا طوفان کا ڈر ہے، کہا طوفان تو ہوگا

کہا مل لوں ظفرؔ جی سے، کہا مل لو ظفرؔ جی سے
کہا دیوان کا ڈر ہے، کہا دیوان تو ہوگا

اے دوست!

ہماری زندگی کے سینما میں
وفا کا سین فلمائے تو اچھا
ہمارا ہاتھ تھامے یا نہ تھامے
سہارا دِل کا بن جائے تو اچھا

لیکن۔۔۔

دِل تو پشوری کیجے حُسن کی ہر محفل میں
پر قانونِ فطرت سے سازش نہ کیجے
دعویٰ کرتے رہیے بیشک آپ جواں ہیں
لیکن ثابت کرنے کی کوشش نہ کیجے

ہم خواندہ ہوں، جلوہ ہے کتابی اِسی باعث
نظروں میں ہے سو ہم ہیں عقابی اِسی باعث

اوروں کے خرابوں پہ نظر رکھے ہوئے ہیں
آئے نہ نظر اپنی خرابی اِسی باعث

کالج میں نہ لگ پایا پڑھائی میں مرا دِل
کرتوت رہے غیر نصابی اِسی باعث

کھول آیا کسی عشق کا کھاتا میرا فوجی
جہلم سے ہے نزدیک صوابی اِسی باعث

افسر ہے چنانچہ اُسے چمچوں کی ہے حاجت
بھاتی ہے فقط عالی جنابی اِسی باعث

بیچاری کا بس چلتا نہیں اور کسی پر
بھیّا کو دھنک دیتی ہیں بھابی اِسی باعث

مجنوں نے دلِ لیلیٰ میں ڈالی نہ ہوا ایلفی
لگتی نہیں اِس قفل میں چابی اِسی باعث

یاں وعدۂ مئے ہی نہیں، مل جاتی ہے مئے بھی
میخانے میں آتے ہیں شرابی اِسی باعث

ہمسائے میں لہرایا ہے آنچل کوئی رنگیں
محسوس ہوئی زیست گلابی اِسی باعث

بے بے نے کسی نام کا پٹا نہیں ڈالا
اُڑتی ہے ہواؤں میں ہمابی اِسی باعث

جب ڈھیل ملے اپنے بھی بس میں نہیں رہتا
تقدیر نے گردن میری دابی اِسی باعث

میں فِیل بدن اپنا گھُلانے میں لگا ہوں
دیگوں کے برابر ہے رکابی اِسی باعث

"ہتھ چھوڑ" نہ بن جائے سوالوں کے بجائے
میں وار نہیں کرتا جوابی اِسی باعث

سچ تو یہ ہے

اِتنا دشوار سچ کا رستہ ہے
اِس پہ چلنے کی بھول ہی نہ کروں
مشورہ دیتا ہوں جو اوروں کو
خود کو دُوں تو قبول بھی نہ کروں

پئے وصل کر کے سنگھار آ نہ آ
تجھے لینے بھیجی ہے کار آ نہ آ

یہ تقریب ردِ تمباکو میں ہے
لبوں میں دبا کے سگار آ نہ آ

اُٹھا نہ اٹھا فون مس کال پر
بلاؤں گا میں بار بار آ نہ آ

تُو پردیس میں ہے تو پھر کیا ہوا
تری زوجہ کھائے اچار آ نہ آ

لگاؤں گا دِل کے رجسٹر میں "P"
کروں گا میں تجھ کو شمار آ نہ آ

رقیبوں سے کر لے سگائی بھلے
نہ اُترے گا دِل کا بخار، آ نہ آ

میں پیدل بھی چل کے پہنچ جاؤں گا
تُو ہو کر گدھے پر سوار آ نہ آ

تری لن ترانی تو بیکار ہے
شکاری بنے گا شکار، آ نہ آ

گوارا ہے اوروں سے خواری تجھے
مرا کر نہ کر اعتبار، آ نہ آ

پھنسا لی ٹریفک میں بارات کیوں؟
کہ آیا پڑا ہے کہار، آ نہ آ

ولیمے میں تیرا بھی حصہ ہڑپ
مجھے آ رہی ہے ڈکار آ نہ آ

مجھے اپنی گنتی میں تُو رکھ نہ رکھ!
میں سو جان سے ہوں نثار آ نہ آ

ترے ساتھ سب کی اُڑاؤں گا نیند
مرے ہاتھ میں ہے گٹار آ نہ آ

پکڑ لُوں گا میں ہاتھ اپنا ظفرؔ
تُو میرے یمین و یسار آ نہ آ

نیا مجاہد

حفاظت بھی ہے خاصی سخت اُن کی
شہادت کی تمنا بھی ہے اُن کو

خودکش حملہ آور

پلٹائی ہے طالع کی
کایا کتنی جتنوں سے
مُنّا اُن کے جیون میں
آیا کتنے جتنوں سے
موقع چین کو کھونے کا
پایا کتنے جتنوں سے
مُنّے نے بھی لم سم میں
بھاؤ اپنے اودھم میں
اُن سے وصولا ہے سارا
توبہ مُنّا بھی کیسا!
خودکش حملہ آور ہے

جامِ شیر چڑھاتا ہے
بسکہ سوتا ہے دِن بھر
خفیہ منصوبے کے تحت
نیند میں کھوتا ہے دِن بھر
وڈکے اِس پر بھی خوش ہیں
شانت تو ہوتا ہے دِن بھر
لیکن اُن کو کیا معلوم
ٹائم بم ہے یہ معصوم
آدھی رات کو ہے پھٹنا
توبہ مُنّا بھی کیسا!
خود کش حملہ آور ہے

جنت سے بے دخلی کا
بدلہ لیتا ہے پورا
دنیا میں یوں لانے پر
رکھے مجلسِ شوریٰ
چاہے ڈانٹا پپا نے
چاہے مما نے گھورا

کب یہ کسی سے ڈرتا ہے
پابندی سے کرتا ہے
اُن پر سرجیکل حملہ
توبہ مُنّا بھی کیسا!
خودکش حملہ آور ہے

جاگ اُٹھتا ہے بے وقتا
بے ڈھب حملہ کرتا ہے
چیخوں کے میزائل سے
ہر شب حملہ کرتا ہے
رولا رپّا ڈالتا ہے
جب جب حملہ کرتا ہے
سب کی نیندیں اِس کا ہدف
کرتا ہے ہر رات تلف
اور یہ روز کا ہے قصّہ
توبہ مُنّا بھی کیسا!
خودکش حملہ آور ہے

"ماپے" عاجز آ آ کر
اِس سے کہتے ہیں، مُنّے!
ہم دونوں نے رکھنے ہیں
کب تک جاری یہ کڑھنے
کس "اوپائے" سے آخر
تیرے دیدے ہیں جُڑنے

روز کی مستی ہے کب تک
یہ نوٹنکی ہے کب تک
کب تک ہے یہ ہنگامہ
توبہ مُنّا بھی کیسا!
خودکش حملہ آور ہے

سے ---

ابرہہ گردی نکل جائے گی
ہم ابابیلوں میں آؤ تو سہی

لیول

مجلسِ اہلِ خرد کا ہے اُصول
تم اُسے کرلو یا وہ قائل تمہیں
جاہلوں سے بحث کرنے کے لئے
خود بھی بننا ہوگا اب جاہل تمہیں

اور یہ غم

جوانمردی سے نمٹیں مشکلوں سے
قبولیں بیخودی کے کیوں خسارے
ڈبوئے جا نہیں سکتے نشے میں
غموں کو تیرنا آتا ہے پیارے

ساسو مرے خلاف ہے سسر مرے خلاف
سسرال کا ہے سارا ہی ٹبّر مرے خلاف

جھانکا نہیں ہے اپنے گریبان میں کبھی
اور جوک لے کے آئے ہیں جوکر مرے خلاف

مارے مرے ہوئے کو وہ شاہِ مدار کیوں
کھولا کیوں احتساب کا دفتر مرے خلاف

کس کو خبر کہ مجھ سے کہاں کی ہے دشمنی
خود سے بھی لڑ پڑے ہیں وہ اکثر مرے خلاف

وہ اور مجھ سے ملنے لگیں اِس خلوص سے
کچھ تو چلا رہے ہیں وہ چکر مرے خلاف

ہر دم ہوں ایک "ڈھیٹ پنے" کے حصار میں
اُلٹا پڑے گا آپ کا منتر مرے خلاف

سینگوں پہ مجھ کو ناپتے پھرتے ہیں جا بجا
جیسے ہوں سارے شہر کے ڈنگر مرے خلاف

یوسف کے بھائیوں سے ٹپیں لی ہوئی ہیں کیا
کاہے کو ہیں تمام برادر مرے خلاف

کرتے ہیں دشمنوں کی طرح سازشیں ظفرؔ
مجھ کو عوام جان کے لیڈر مرے خلاف

خیری کن ای فلاں!

ہمیشہ خلقِ الٰہی پہ مہرباں رہئیے
تڑپ کے دیکھیں گے پھر آپ کی بھی چوٹوں کو
اگر زبان ہے سرکار کی چھری کی طرح
تو کاٹ سکتے ہیں پھر آپ اپنے ہونٹوں کو

یار

بھلا حسّاس کہاں ہر سامع
دردِ دِل ہوتا تو ٹینشن لیتا
بات سننے کو سبھی سنتے ہیں
یار ہوتا تو توجّہ دیتا

(احمد فراز کی غزل کی پیروڈی)

ہم سے کہیں ہمسائے ہمارے مت جھانکو
جان اگر پیاری ہے پیارے مت جھانکو

ہمسائے کی جورو سب کی بھابھی ہے
ہمسائے کے گھر میں سارے مت جھانکو

اُس کے ہاتھ میں بارہ بور کا پسٹل ہے
چاہو کہ نہ جان سے مارے مت جھانکو

پیسہ ہو تو آرڈر پر لے آتے ہیں
من و سلویٰ بھی ہرکارے مت جھانکو

وہ دیکھو بس جو بھی شرافت دکھلائے
مانا تم ہو ہجر کے مارے مت جھانکو

بہتر ہے پابستہ رہو! لب بستہ رہو!!
کون کہاں کیوں وقت گزارے مت جھانکو

کچھ نیویں دیواروں والے کہتے ہیں
تم لمبو ہو گھر میں ہمارے مت جھانکو

دِل کہتا ہے تو مت دل کی بات سنو
یہ دکھلائے دن میں تارے، مت جھانکو

باس کو جب بھی چمٹ جاتا ہے سرداری کا بھوت
ہم میں آنا چاہیے ایسے میں فنکاری کا بھوت

تم بجاتے ہو جنہیں مندر کا گھنٹا جان کر
آ بھی سکتا ہے اِنہی لوگوں میں بیداری کا بھوت

اب کہاں محدود ہے مردود بس تاریخ میں
میری بیگم میں گھسا رہتا ہے تاتاری کا بھوت

دم کرائیں پیر سے حرکت کی برکت کے لئے
ٹُن کئے رکھتا ہے جن کو کارِسرکاری کا بھوت

شکر ہے کہ خان سا عامل ملا ہے ملک کو
شکر ہے آخر نکل بھاگا تو ہے باری کا بھوت

خانگی جھگڑا محلے میں ہے ہر سو وائرل
کیوں گلی میں جھانکتا ہے چار دیواری کا بھوت

کام آخر بن گیا پولیس کی لترول سے
ورنہ آسانی سے کب اُترا ہے دلداری کا بھوت

لے اُڑے اوراقِ دل ہر سمت پنکھے کی ہوا
دندنائے سارے ہی کمرے میں الماری کا بھوت

ریڈی رکھے طنز کا تعویز بیگم ہر سمے
کیا خبر کب آ گھسے ہم میں سخن کاری کا بھوت

(آفتاب اقبال شمیم کی غزل کی پیروڈی)

مارنی تھی جو ترے ابّے نے گھوری رہ گئی
کیا کیا جائے چول میری اُدھوری رہ گئی

وصل سے بڑھ کر اُسے کچھ اور بھی درکار تھا
آ گیا کھیڑا تو رانجھے جی کی چُوری رہ گئی

گھر امیک اپ تھا مگر سب بہہ گیا تھا دھوپ میں
شام تک ہر اک کُڑی رنگت میں بھوری رہ گئی

ہم بھلکڑ نیند کی ہی ٹیبلٹ کھا نہ سکے
اور فکرِ نیند میں پھر نیند پوری رہ گئی؟

اِس طرح متھے لگا کوئی رقیبِ روسیاہ
حاصل و مقصود میں دوری سی دوری رہ گئی

اِس قدر کھل کھل کے کھیلا بھید سارا کھل گیا
غالباً کوئی حماقت لاشعوری رہ گئی

ملاقاتی

کوئی رحمت بنے، کوئی زحمت بنے
کوئی لاتے ہوئے، کوئی کھاتے ہوئے
ہر ملاقاتی دیتا ہے ہم کو خوشی
کوئی آتے ہوئے، کوئی جاتے ہوئے

ہمارے استاد

ویسے تو معلوم نہ ہوتا
ہم میں کیا کیا زیرِ نمو ہے
بچے ہم کو بتلاتے ہیں
ہم میں کتنی ضبط کی خو ہے

جائے نہ حُسن عشق کے طعنے کے آس پاس
مکھیاں تو بھنبھنائیں گی کھانے کے آس پاس

اِس سے زیادہ اور کہاں موقع کی جگہ
ڈاکہ زنی کا شغل ہے تھانے کے آس پاس

طائر وہیں پہ بیٹھ کے محفوظ رہ سکا
برسے ہیں سارے تیر نشانے کے آس پاس

کیا جانئیے کہ زعم ہے کس بات کا اُسے
مردانگی ہے جس کی زنانے کے آس پاس

گویا نکل گئے ہیں مری آستین سے
دیکھے گئے ہیں سانپ خزانے کے آس پاس

خود ساختہ تقدس کے حامل ہیں اِس قدر
گائیں تو اُن کے گُن ہوں ترانے کے آس پاس

وہ دوسروں پہ خوب اُٹھاتے ہیں اُنگلیاں
پھٹکے نہیں جو آئینہ خانے کے آس پاس

کچیوں پکڑ کے کل یہی تھانے بھی لائیں گے
پہرے پہ ہیں جو آج کے رانے کے آس پاس

حل ہو سکا نہ مسئلہ ٹیوشن کی فیس کا
اہلِ خرد تھے خاصے دوانے کے آس پاس

تاریخ کی کہانی عجب کشمکش میں ہے
کردار پھر رہے ہیں فسانے کے آس پاس

عورتوں کی سواری

کبھی کسی کو بھی خوش نہ آئے
نہ وین و ٹیکسی، نہ کار و لاری
ہمیشہ سے عورتوں کو بھائے
میاں کے اعصاب کی سواری

شادی+غلطی

رہتے ہیں محتاط کنوارے
پھر بھی غلطی کر لیتے ہیں
یعنی احمق بن جاتے ہیں
یعنی شادی کر لیتے ہیں

دِلبری نہیں رکھتا غالباً ہدف وہ شوخ
کس لیئے اُتارے پھر نطق کی کلف وہ شوخ

کب اُجڑنے دیتا ہے کھیتیاں حواسوں کی
عاشقوں کی کرتا ہے سونڈیاں تلف وہ شوخ

میری آرزوؤں کو کیوں گہر نہیں کرتی
کہلانے کو کہلاتی تو ہے مس صدف وہ شوخ

ہر کسی سے ووٹوں کی بھرتا جاتا ہے ہامی
ہر کسی کو لگتا ہے اپنی ہی طرف وہ شوخ

دوستوں میں کہلاتا ہے وہ خادمِ اعلیٰ
دوستوں سے کرتا ہے کس قدر بلف وہ شوخ

مجھ کو دیتا پھرتا ہے کن یادوں کی مس کالیں
رات بھر بجاتا ہے پُراسرار دف وہ شوخ

مسکرائے بھی، ٹھینگا بھی دکھلائے ہم تم کو
دل لگی کا رکھتا ہے غالباً شغف وہ شوخ

لوگ بھول کر اُس کو ڈاکٹر سمجھ بیٹھیں
رائٹنگ نہیں رکھتا اِس قدر بھی رف وہ شوخ

اپنا ڈب کھڑبا سا دیکھتا نہیں چہرہ
اور پھرتا رہتا ہے آئینہ بکف وہ شوخ

کام جب پڑے تو پھر بے حساب چپکو ہے
بے سبب نہیں ہوتا ہر کسی سے لف وہ شوخ

اُٹھ کے تیر ہو جائے، حاصل خاک کر پائے
مجھ سے قیمتی غزلیں سننے کا شرف وہ شوخ

چند ترو ینیاں

بیگم اِک دفتر میں جب اِک افسر ہے
تو پھر کس فوں فاں میں اِس کا شوہر ہے

گھر داری تو اُس کو کرنی ہے آخر

✠

کل کرکٹ کا میچ ہوا
پاکستان کا بھارت سے

لیکن بارش جیت گئی

✠

آج کے دورِ غفلت میں
ہم میں کتنے بندے ہیں

سونے تک جو جاگتے ہیں

عاشقوں اور شیر خواروں میں ہے قدرِ مشترک
دونوں کو سمجھایا جا سکتا نہیں ہے مطلقاً

دونوں کا ہے شغل آہ و زاری آدھی رات کو

✠

"صبحدم دروازۂ خاور کھلا"
اور بن ٹھن کر مسز خاور چلی

تاڑوں سے بھر گئی ساری گلی

✠

اُٹھانی تھی انگلی کسی پر کسی نے
سو جھانکا تھا اپنے گریباں میں پہلے

پڑا ہے وہ بیچارہ بیہوش تب سے

✠

خوابوں کے پیچھے آخر
یہ بھاگ دوڑ کب تک

ایتھلیٹ تو نہیں ہو؟

شیر کہتی ہیں مجھے ممی مری
اور اِس بات کو جھٹلاتی ہیں روز

شیر کرتا ہے کہاں دانت برش

✠

کسی کو نصیحت میں کرتا نہیں ہوں
اِسے میری بیدرد فطرت سمجھ لیں

مرے طنز کو ہی نصیحت سمجھ لیں

✠

کسی حُسن پر رال ٹپکا نہ سنگی!
کسی طور بھی یہ نہیں اعتباری

خصوصاً کسی پارلر سے نکلتا

✠

نہیں، کان بہرِ نمائش نہیں!
نہ ایروں کی غیروں کی سُننے کو ہیں

یہ عینک کے بازو واڑ سنے کو ہیں

آپ اگر بوڑھے نہ بنیں تو ہو نہیں سکتے بوڑھے
مرد ہے اُتنی عمر کا جتنا وہ محسوس کرے
ہاں عورت ہے اُتنی عمر کی، جتنی دِکھتی ہے

✠

اچھا سُننے والا تو
وہ ہے جو حسّاس سا ہے
اور کچھ ساتھ میں بہرہ بھی

✠

اگر چہ سچائی اعلیٰ قدروں میں ایک ٹھہری
پر اِس کے دانتوں کو اِس قدر بھی نہ تیز کیجے
کہ دوستوں کی منافقت کو ہی کاٹ کھائے

✠

کتاب آپ کی تھی مزے کی بہت
اِسے ہر کسی نے پڑھا شوق سے
بنایا تھا دلچسپ اغلاط نے

پہلے باس کی بات سُنیں
اُس مکھڑے پر گیت بُنیں

منطق صدقِ نو کی چُنیں

اچھا لیڈر وہی رہے
جو کھل کھیلے جیون بھر

لیکن پکڑا نہ جائے

زمانِ نو میں مولا بخش کی تو
سیاسی حیثیت کچھ بھی نہیں ہے

مگر ہر فیصلہ چلتا ہے اِس کا

کوئے دلبر کے مکینوں پہ تو غصہ نہ کرو
اِن رقیبوں پہ (کمینوں پہ) تو غصہ نہ کرو

عمر کو سولہ برس سے ہی نہ بڑھنے دو کبھی
اِس قدر سالوں مہینوں پہ تو غصہ نہ کرو

آپ خوبانی سے خربوزہ بنی بیٹھی ہو
تو محلے کی حسینوں پہ تو غصہ نہ کرو

بینک بیلنس ہے ترا لاکھوں کروڑوں میں تو کیا
میرے نیفے کے خزینوں پہ تو غصہ نہ کرو

تم نے کرنی ہے اگر سنگ زنی پشتو کی
میری باتوں کے قرینوں پہ تو غصہ نہ کرو

اپنی اولاد نکمی ہے جو اپنے جیسی
غیر کے لعلوں نگینوں پہ تو غصہ نہ کرو

کم لباسی کا اگر شوق ہے تم کو جاناں
تاڑنے والے کمینوں پہ تو غصہ نہ کرو

تم کو توفیق تفکر ہی نہیں تو کیا کریں
سلوٹوں والی جبینوں پہ تو غصہ نہ کرو

یہ سیاست، یہ حکومت، یہ صحافت، توبہ!
ایک ہی سانس میں تینوں پہ تو غصہ نہ کرو

تاابد تختۂ تاریخ پہ لٹکے ہی رہیں
اِس قدر تخت نشینوں پہ تو غصہ نہ کرو

اپنی چندھیائی ہوئی نظریں طبیبوں کو دکھاؤ
آپ اندھے ہو تو بینوں پہ تو غصہ نہ کرو

ٹھیک ہے، پیٹ کی آتش نے ہے کھولایا ہوا
سیٹھ صاحب کے دفینوں پہ تو غصہ نہ کرو

تم سے ہو پائے تو پیدا کرو خود اپنے پلاٹ
میرؔ و مرزاؔ کی زمینوں پہ تو غصہ نہ کرو

پرچی

(علامہ اقبالؔ کی ایک مختصر نظم "فوارہ" کی پیروڈی)

یہ سینیارٹی، یہ عمر بھر کی جدوجہد
مری نگاہ میں ناکام ہے وہ بیچارہ

اُدھر نہ دیکھ، اِدھر دیکھ اے کلرکِ عزیز
بلند پرچی سے کیسے گریڈ ہے، یارا !

رکشے سب در پے ہیں تیرے، اِن سے بچ!
ڈالتے پھرتے ہیں پھیرے، اِن سے بچ!

گھر کی آل اینڈ آل ہیں گھر والیاں
اِس جگہ گیدڑ ہیں شیرے، اِن سے بچ!

کاکا جی کہتے ہیں پر مہماں کہاں!
جھوٹ بکتے ہیں بنیرے، اِن سے بچ!

ایسی آندھی ہے کہ منظر ناک ہیں
تیرے دھوتی کے پھریرے، اِن سے بچ!

اب کہاں ووٹر، کہاں امیدوار
سانپ ہیں یا پھر سپیرے، اِن سے بچ!

کاٹنے کا شوق بھی رکھتے تو ہیں
بھونکنے والے بہتیرے، اِن سے بچ!

ایسے لیڈر اپنے ہاں لیڈر نہیں
جو نہ ہوں فصلی بٹیرے، اِن سے بچ!

اُس جگہ ماریں جہاں پانی نہ ہو!
یہ پچیرے، یہ پھپھیرے، اِن سے بچ!

عمر بھر دیتے رہیں گے پٹخنیاں
اُن کی زلفوں کے اندھیرے، اِن سے بچ!

اُن کے ارماں دِل بدر ہوتے نہیں
گوٹھ کے ہیں یہ وڈیرے، اِن سے بچ!

لُوٹ لے جاتے ہیں شعروں شعروں میں
بزمِ شعری کے لٹیرے، اِن سے بچ!

شراکت

جتنا شیطان کا ساتھ دو گے ظفرؔ
تھلّے مردود کے ہی لگو گے سدا
اِس شراکت میں خامی یہی ہے کہ تم
جونئیر پارٹنر ہی رہو گے سدا

خاموش نگاہیں

طے بھی کر لیتی ہیں ابلاغ کا سارا ہی سفر
اور قصے بھی ہمیں کرنے نہیں پڑتے ہیں
بات کر جاتی ہیں خاموش نگاہیں ایسی
جن کے ہجے بھی ہمیں کرنے نہیں پڑتے ہیں

خود کو جھٹلانے سے تو ہونے نہیں کم بھی گدھے
بسکہ آؤ مان لیں، تم بھی گدھے، ہم بھی گدھے

سرسری نظروں میں جو ہم کو خرِ مطلق لگے
اُن کو تفصیلاً بھی دیکھا، وہ ہیں لم سم بھی گدھے

آپا دھاپی کے زمانے میں غنیمت جانیئے
ایسے کلجگ میں کمہاروں کے ہیں محرم بھی گدھے

اُس کو کیوں لیڈر کہیں، جو ہے گدھا سب سے بڑا
ہونے کو ہم پر ہوا کرتے ہیں برہم بھی گدھے

گھر میں گھر والی سے "کھابے" پر الجھ بیٹھے تھے کل
اور پھر کھاتے نظر آئے تھے شلغم بھی گدھے

شوقِ دولتی تو اِن کا ماند پڑتا ہی نہیں
برپا رکھتے ہیں کوئی نہ کوئی اودھم بھی گدھے

محفلوں میں اُن کی شخصیت کا جادو ہے بہت
ہم نے دیکھے وہ ارسطو پیشِ بیگم بھی گدھے

کس لئے رہ رہ کے ہم گیسو سنواریں صاحبو!
آپ کی نظروں میں تو گنجم بھی بالم بھی گدھے

آپ کیوں چاہت فتح کی ڈھینچوں ڈھینچوں میں ہیں گم
طالبِ دیدار ہیں مصروفِ سرگم بھی گدھے

اِن کی ریڈرشپ ہے کہ بڑھتی ہی جاتی ہے ظفرؔ
اِن دِنوں اخبار میں لکھتے ہیں کالم بھی گدھے

صاف بات

اگر تم نے سمجھنا ہی نہیں ہے
سمجھ میں آ نہیں سکتا ہوں ہر گز
وضاحت کر تو سکتا ہوں میں لیکن
تمھیں سمجھا نہیں سکتا ہوں ہر گز

مطالعۂ تاریخ

لازمی تو نہیں عبرت ہی وہ پکڑیں لیکن
مقتدر باز نہ مکتب کا یہ دروازہ کریں
یُوں بھی تاریخ کو پڑھنا ہے ضروری کہ یہ تاکہ
غلطیاں پچھلی نہ دھرائیں، کوئی تازہ کریں

کر گیا نسوار والا معذرت
بول اُٹھا "نِشتا لالا" معذرت

لات جھاڑی تھی بڑے اخلاص سے
اور اب کرتا ہے سالا معذرت

جس سے کچھ ہم کو تھی امیدِ وفا
اُس نے بھی کہہ کہہ کے ٹالا "معذرت"

تجھ سے میرے عقد کی صورت میں ہے
کِن گناہوں کا ازالہ، معذرت!

سچ کہوں تو آکے لے جائے نہ دوست!
"ویگو ڈالا" کالا کالا، معذرت

لنچ کے ٹائم ہی منھ پر جڑ گیا
ہم نوالہ، ہم پیالہ، معذرت

جب تری بٹیا ہے راضی خیر سے
کس لئے کرتی ہو خالہ معذرت!

اپنا گھر تم ہی اُٹھا لاؤ یہیں
پڑ گیا تلوؤں پہ چھالا، معذرت!

سرد مہری کس قدر لہجے میں ہے
جیسے سرما کا ہو پالا، معذرت

محبت ہے، بس اب اِس سے زیادہ اور کیا کہیئے
حماقت ہے، بس اب اِس سے زیادہ اور کیا کہیئے

جو سچا ہے، زمانے میں ہمیشہ خوار رہتا ہے
حقیقت ہے، بس اب اِس سے زیادہ اور کیا کہیئے

سیانوں کا یہ کہنا ہے، علاجِ عشق و سر مستی
حجامت ہے، بس اب اِس سے زیادہ اور کیا کہیئے

کسی کا حُسن دیکھوں تو میں توبہ توبہ کر اُٹھوں
قیامت ہے، بس اب اِس سے زیادہ اور کیا کہیئے

میں کاہے لیڈروں کے کالے دھندوں پر نظر رکھوں
شرارت ہے، بس اب اِس سے زیادہ اور کیا کہیئے

ڈسا جاؤں میں جس سوراخ سے، پھر ہاتھ اُس میں دُوں
یہ عادت ہے، بس اب اِس سے زیادہ اور کیا کہیئے

میں روکوں گا تو کیا تم نے مہاریں موڑ لینی ہیں؟
اجازت ہے! بس اب اِس سے زیادہ اور کیا کہیئے

کلاسیں لیتی ہے، مرغا بنا کر رکھتی ہے دل کو
یہ قسمت ہے، بس اب اِس سے زیادہ اور کیا کہیئے

یہ ایسا دور ہے، اِس میں اگر تم سانس بھی لے لو
غنیمت ہے، بس اب اِس سے زیادہ اور کیا کہیئے

یہ جس مردار پر منڈلا رہے ہیں عالمی کرگس
معیشت ہے، بس اب اِس سے زیادہ اور کیا کہیئے

اگر ابلیس کو دنیا میں دھندہ کوئی خوش آتا
وکالت ہے، بس اب اِس سے زیادہ اور کیا کہئیے

ارے مت پوچھئے سننا پڑے گا کیسوں کیسوں کو
صدارت ہے، بس اب اِس سے زیادہ اور کیا کہئیے

غزل سُن کے مری نقاد بولا کاندھے اُچکا کر
ظرافت ہے، بس اب اِس سے زیادہ اور کیا کہئیے

ناجائز

آپ کو دِل میں جگہ دے کوئی
اہلیت اِتنی کہاں ہے آپ کی
آپ کے بارے میں سب کو علم ہے
فارم سینتالیس ماں ہے آپ کی

عاشقی میں یُوں ہیں سارے منچلے
بے ارادہ جیسے کوئی گن چلے

اپنے پچھلوں کے لئے مکھن ہے وہ
اور شوہر پر مثالِ گن چلے

ویسے لہراتا ہے اِس بڈھے کا دِل
جیسے بل کھاتا ترا جوبن چلے

ہم کو کابل کا بھی ویزہ نہ ملا
اور امریکہ نرے ڈھکن چلے

قوم کی دولت ہڑپ لینے کے بعد
ہاضمے کو کون سا چورن چلے

گند ہی تُو نے سیاست میں کیا
تیرا لونڈا بھی چڑھانے چن چلے

اِتنے رسیارن کے ہیں شادی شدہ
گھر میں میزائل کم برتن چلے

ڈال کر سیندور اپنی مانگ میں
جنگ کرنے کے لئے انڈین چلے

لیکنوں مگروں میں ہم اٹکے رہے
کرنے والے بات کر کے ڈن چلے

کس لئے تنگنا گئے پتلون شرٹ
ہم اگر پہنے ہوئے اچکن چلے

ہم ہیں جن کی عمر میں اکڑوں ظفرؔ
وہ ہماری عمر میں چھن چھن چلے

(ابن انشاء کی ایک معروف غزل کی پیروڈی)

جیجا جی اُٹھو! اب کچھ تو کرو، اِس بیڈ سے جی کو لگانا کیا
کاہے کو سکوں سے کیا مطلب، شوہر کا ہے گھر میں ٹھکانہ کیا
مانا کہ بھکاری پی ایم ہو، دیکھو تو سہی، سوچو تو سہی
جس جھولی میں سو چھید کئے، اُس جھولی کا پھیلانا کیا
یاروں میں گنوایا سارا دِن سو برسیں گے سینڈل اب گن گن
کیوں رات گئے گھر آئے ہو، بیوی سے کروگے بہانہ کیا
جو کہنی ہے کہہ دو بات میاں، بس موڈ میں کٹ جائے نہ گھڑی
جو دِل میں ہے لب پر آنے دو، ہکلانا کیا، گھبرانا کیا
پہلے اُسے جب بھی دیکھا تھا، بس یونہی سی مجھ کو لگتی تھی
اور اب میک اپ کی گھات ہوئی، یہ گھات بھی ہے افسانہ کیا
ہر کیشئر اوروں کے کھاتے بس گن ہی سکے، خود لے نہ سکے
جسے گن تو سکیں پر لے نہ سکیں وہ دولت کیا وہ خزانہ کیا
کس بات کا سنگی طعنہ دیں، کچھ عقل پہ اپنی ہاتھ دھریں
دیوانوں کی سی نہ بات کرے تو اور کرے دیوانہ کیا

بات اور لات

باس آ جائے ظفرؔ
جب کبھی اوقات میں
فرق رکھتا ہی نہیں
بات میں اور لات میں

کون میں جاناں کی

آئینے تجھ کو دیکھ کر سوچوں
تو جو بندہ ہے مجھ کو دکھلاتا
جانا پہچانا لگ رہا ہے مگر
نام کیوں ذہن میں نہیں آتا

مٹی پلید

(فلم "بے ایمان" کے لئے لکھے گئے تسلیم فاضلی کے نغمے کی پیروڈی)

جب گھر داماد ہو جائے گا تو ہوگا یہی انجام
طنز و طعن رہے گا دن بھر، تُو تُو میں میں شام

بیوی حد سے بڑھ جائے گی
راشن لے کے چڑھ جائے گی
چہرہ بوٹی ہو جائے گا، آنکھ لہو آشام

ساس ہے تیری جیسے چاقو
منہ پہ کہے گی تجھ کو کالو
گھر گھر ہوں گے تیرے قصے، ہوگا یوں بدنام

سالے خون پیئے جائیں گے
تجھ کو خوار کئے جائیں گے
دنیا والے لاکھ لگائیں سسروں پہ الزام

جو شادی کرتے ہیں، تا عمر پچھتاتے ہیں رب دی سونھ
سوا پچھتاتے ہیں، جو کر نہیں پاتے ہیں رب دی سونھ

وہ جھوٹے ہیں کہ شب بھر مچھروں کے شر سے جاگے ہیں
جو کہتے ہیں کہ تیرے غم میں جگراتے ہیں رب کی سونھ

وہی احباب جن کا دم بھرے پھرتے ہو روز و شب
ہمارے کاغذوں میں سانپ کہلاتے ہیں رب کی سونھ

اُنہی سے طوطا چشمی کا ہمیشہ سے ہے خطرہ بھی
جو طوطوں کی طرح دیدوں کو مٹکاتے ہیں رب کی سونھ

مچھندر برملا جس کو ہمارا جرم کہتے ہیں
ہمیں اُس کام پر وہ آپ اکساتے ہیں رب کی سونھ

وہ کہتے ہیں، غلط باتوں پہ لکنت آ ہی جاتی ہے
مگر یہ بات کرتے آپ ہکلاتے ہیں رب کی سونھ

جو ناصح بنتے پھرتے ہیں، وہ گھنٹا عقل رکھتے ہیں
یہ سسرے تو یونہی پھوکٹ میں سر کھاتے ہیں رب کی سونھ

مجھے معلوم ہے سچ اُن سے بولا جا نہیں سکتا
مگر ہر بات پر موصوف فرماتے ہیں "رب کی سونھ"

یہ مانا کہ ہنساتے ہیں ظفرؔ ہم کو سرِ محفل
مگر بھدبھی ہماری ہی اُڑا جاتے ہیں رب کی سونھ

جھوٹ کا سفر

جب میں چھوٹا ہوتا تھا
جھوٹا ہی مشہور رہا
آج بھی lawyer ہوں گویا
"جھوٹا" بدستور رہا

خبردار!

یار ماروں کی دنیا ہے، اس میں ظفرؔ
غیر محتاط ہو کر نہ پاؤں دھریں
ایسے حالات میں مشورہ ہے یہی
اب کسی سے کوئی مشورہ نہ کریں

جنگ



جنگ کاہے کی بھلا
اب تو اِس کے نام پر
چودھری دھرتی کے کچھ
کر رہے ہیں تجربے
حرفتِ حربی کے کچھ
اپنے خطّے سے پرے
بیوقوف اقوام پر

لومڑ کو جب بنائے گی اُلّو بھی لومڑی
تو لومڑی کی پائے گی خُو بُو بھی لومڑی

رکھ دے گی چیر پھاڑ کے چیتے کا بھی جگر
لائے گی جب مگرمچھ کے آنسو بھی لومڑی

ہیں لیڈری کے لاڈ چناؤ کے دور تک
پُوچھل سے دیتی جائے گی جھاڑو بھی لومڑی

”دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی“
وہ بھی ہے ایک گرگٹ سا اور تُو بھی لومڑی

مکّاریوں کا داؤ نہیں چلتا ہر دفعہ
آ جاتی ہے نصیب کے قابُو بھی لومڑی

وہ پینترا دکھایا کہ آنکھیں ہی کھول دیں
لگتی نہیں تھی وہ کسی پہلو بھی لومڑی

اِک میں کہ عاشقی میں گدھے کا گدھا رہا
اِک وہ کہ بہ ہزار ترازو بھی لومڑی

انگور اِس کے واسطے کھٹے نہیں رہے
رکھتی ہے چاپلوسی کا جادو بھی لومڑی

یوں واری واری جائے زبانِ فرنگ پر
ہو فائدہ تو بول لے اُردو بھی لومڑی

بجٹ ۲۰۲۵ء

بجا نہ سکے عید کے دِن بھی بغلیں
کہ یہ سال ظلم و ستم سے بھرا ہے
ظفرؔ بیلوں اور بکروں کے بعد اب کے
بجٹ نے بھی سینگوں پہ ہم کو دھرا ہے

پڑوسن کی مرغی

حسیناؤں کے باب میں ہے عقیدہ
جو آنکھوں سے ہو جائے، غلطی ہے اچھی
مگر کام آئی ہمارے شکم کے
پڑوسن سے تو اُس کی مرغی ہے اچھی

عمر بھر جیتا ہے کون
اِس قدر چیتا ہے کون
ناز و نزہت تو گئی
اب یہ سنگیتا ہے کون
زہر ہو، پیپسی نہیں
جان کر پیتا ہے کون
جیب و داماں وحشیا!
مفت میں سیتا ہے کون
مقتدر ہیں اور ہم
راون و سیتا ہے کون
کون ناپے کس کا قد
حاملِ فیتہ ہے کون

ہم نے سہرہ پڑھا

ہم نے ساری رات کالی کی، لکھا سہرہ، پڑھا
پر کہاں مانا کسی نے دوستا! سہرہ پڑھا

شعر فہمی کے جھونے تیرے ابّا جی میں تھے
کر دیا پورا جو اُن کا حکم تھا، سہرہ پڑھا

سہرے کو پھولوں ہی پھولوں سے کلیشے کرتے کیا
کچھ پھلوں کو بھی ملایا، خوشنما سہرہ پڑھا

لوگ تھے مہدی حسن کی آس میں آئے ہوئے
ہم نے تحت اللفظ میں لیکن ترا سہرہ پڑھا

معترض یوں تھے کہ جیسے سب عروضی ہوں وہاں
کیسے نثری نظم میں لکھا ہوا سہرہ پڑھا

کس لئے بگڑا ہوا ہے ہجو اِس کو جان کے
ہم نے تو اپنے تئیں اچھا بھلا سہرہ پڑھا

لوگ تھے آپے سے باہر انبساطِ عقد سے
ہم نے آئینہ کیا، بھرِ دوا سہرہ پڑھا

اِس سے ہے تکلیف تیرے رشتہ داروں کو بہت
عمر کا کیوں ذکر چھیڑا، جب موا سہرہ پڑھا

کھا کے کہتا ہوں ترے سہرے کی لڑیوں کی قسم
تُف ہے مجھ پر اب جو کوئی دوسرا سہرہ پڑھا

اگلوں نے شاعر کو شادی پر بلایا تھا ظفرؔ
تُو نے کیوں خود کو سمجھ کر مسخرا سہرہ پڑھا

اُسے کیوں بھید بتلاتا، مجھے وارا نہیں کھاتا
وہ ناصح یونہی سر کھاتا، مجھے وارا نہیں کھاتا

وہ لڑکی خوب تھی پر اُس کا ابّا ڈون جیسا تھا
میں کیسے عشق فرماتا، مجھے وارا نہیں کھاتا

کمانڈو ایکشن میں تھے مگن سارے، تو پھر پیارے!
اکیلا کیوں میں شرماتا مجھے وارا نہیں کھاتا

مجھے معلوم ہے سچ بولنے میں نیک نامی ہے
مگر پھر بھی مرے داتا، مجھے وارا نہیں کھاتا

چلے آتے ہیں ڈالے (کالے کالے) لب کشائی پر
میں کیا کرتا جو بھر پاتا مجھے وارا نہیں کھاتا

زمانے بھر سے پھینٹی کھانے کی ہمت نہیں مجھ میں
کسی سے عشق کا ناتا مجھے وارا نہیں کھاتا

کلاسیں لے رہے ہیں باری باری کیوں مرے سسرے
(ترے پتا، تری ماتا) مجھے وارا نہیں کھاتا

میں یونہی گنگناتا تو اُسے تحریک ہو جاتی
تو وہ بھی گاتا (ڈکراتا)، مجھے وارا نہیں کھاتا

مروت میں بھی اُس کو شعر پڑھنے کا اگر کہتا
ظفرؔ دیوان لے آتا، مجھے وارا نہیں کھاتا

ڈر

زور و زر کے سامنے کس کی چلی
کون ہے جو آج گھبرایا نہیں
ویگو ڈالے کا تھا ڈر اِتنا ظفرؔ
آئینے نے عکس دکھلایا نہیں

اِن شاءاللہ

اگرچہ آج بہت بے بسی کا عالم ہے
دکھائی دے گا کسی روز وہ سمے تم کو
یہ جس قدر بھی بلائیں وطن پہ نازل ہیں
پکڑ کے بھاگ اُٹھیں گی جہاز کی دُم کو

بے وجہ ہر بات میں اُن کے گھسی آتی ہے گالھ
روزمرّہ صحبتِ یاراں میں بن جاتی ہے گالھ [۱]

چودھری صاحب اِسی تہذیب کے سرخیل ہیں
آپ کی نوکِ زباں پہ پرورش پاتی ہے گالھ

سادہ لفظوں سے غبارِ دل نکلتا ہے کہاں
کس کو کس پر کتنا غصہ ہے، یہ بتلاتی ہے گالھ

ایک کرتے رہتے ہیں اِک دوسرے کی ماں بہن
بدقماشوں سے بھی کیسا شغل فرماتی ہے گالھ

---

[۱] پنجابی میں گالی کو کہتے ہیں۔

بعض لوگوں کا تو بن جاتی ہے تکیۂ کلام
تربیت کا رنگ کل دنیا کو دکھلاتی ہے گالھ

آپ کو کیسے میں تلقین شکیبائی کروں
دوسروں سے جب سُنوں، مجھ کو بھی کھولاتی ہے گالھ

مقتدر جب نام لیتی ہے عوام الناس کا
کیا کروں کہ خود بخود منہ سے نکل جاتی ہے گالھ

سننے والے کیوں نہ چھوڑیں دامنِ اخلاق کو
ایسی منزل پہ تو سب کو گھیر پر لاتی ہے گالھ

میں تو خود بانی بہت سی گالیوں کا ہوں ظفرؔ
ہر کسی کو دے نہیں سکتا ہوں جو ذاتی ہے گالھ

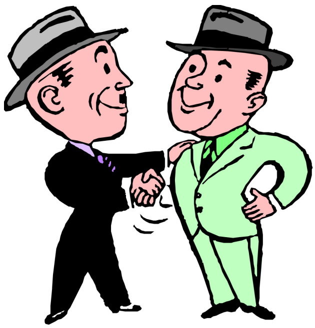
وجہ

دِل کے آگے آتا ہے اپنا کیا
مفت میں تو روسیاہ ہوتا نہیں
شامتِ اعمال دیتی ہے صدا
عشق یونہی خواہ مخواہ ہوتا نہیں

مفت کی مارکیٹنگ

زور سے آیا ہوا ہے خیر سے اِنڈیا کو یُدھ
اور ہم جرمانہ اِس کا بھر رہے ہیں مفت میں
جنگ میں راڈار سسٹم یوز کر کے گویا ہم
چائنہ کی مارکیٹنگ کر رہے ہیں مفت میں

تصفیہ



سوری!

آپ کی بیوی کو کاٹا ہے میرے کُتّے نے!!

کیا مل بیٹھ کے آپس میں

اب سیٹلمنٹ ہو سکتی ہے؟

جی جی، کیوں نہیں، بالکل!

یہ لیں ایک ہزار

اگلی بار وہ جب کاٹے گا

تو میں دوں گا ڈیڑھ ہزار

بے لگامی کی سوچ رکھتے ہیں
علمِ گالی گلوچ رکھتے ہیں

اپنی کرکٹ کی ٹیم والے کیا
گلی ڈنڈے کا کوچ رکھتے ہیں

رائے عامہ کی دے کے آزادی
سب کی گچی دبوچ رکھتے ہیں

کون سے مرد بیویوں کے لئے
دہشتِ کاکروچ رکھتے ہیں

کل بھی بھوتوں کو وہ ڈراتے تھے
اب تو ابرو ہی نوچ رکھتے ہیں

صرف باتیں نہیں ہیں لچکیلی
وہ کمر میں بھی لوچ رکھتے ہیں

اِن دِنوں ہیں وہ لارڈ بیول سے
بہتی نوزی کو پوچ رکھتے ہیں

وقت کے ساتھ چل نہیں سکتے
گویا ہمت میں موچ رکھتے ہیں

ہم کیانی اگر ہیں تو کیا ہے
آرزوئیں بلوچ رکھتے ہیں

جج خُویار

کسی منزل پہ پہنچنے نہیں پاتا ہوں ظفؔر
میری قسمت کہیں رستے میں اڑی جاتی ہے
فیصلہ کرتا نہیں، یار ہے جج خُو ایسا
ڈیٹ پر ڈیٹ سماعت کی پڑی جاتی ہے

آرٹ اور ۔۔۔

جو آرٹ کی خدمات میں مصروف ہیں
اُن کے مسل ہی اب تو پُل ہونے لگے
اور جامے میں رہنا نہیں آیا جنہیں
اُن سب کے شو ہاؤس فُل ہونے لگے

ستر ہ کا خواب اور تریسٹھ کی عمر میں
حُسن و شباب اور تریسٹھ کی عمر میں

نہلے رہے ہیں علمِ ریاضی میں آنجناب
فکرِ حساب اور تریسٹھ کی عمر میں

سوکھے ہوئے شجر پہ بہاریں نہ آئیں گی
شوقِ خضاب اور تریسٹھ کی عمر میں

سرکار کے ملازم سے کہتے ہو کام کا؟
ایسا عذاب اور تریسٹھ کی عمر میں؟

سیرِ چمن حسینوں کا معمول کس لئے؟
یہ اضطراب اور تریسٹھ کی عمر میں؟؟

اُس شوخ سے کیا تھا جوانی میں جو سوال
لو گے جواب اور تریسٹھ کی عمر میں

یہ پینشنر بھی افسرِ خونخوار تھے کبھی
عِزت مآب اور تریسٹھ کی عمر میں!

گھر کے معاملات ہیں اور ہم ہیں دوستو!
یہ ٹف سی جاب اور تریسٹھ کی عمر میں

کس کو خبر تھی صاحبِ دیوان تم بھی ہو
یومِ حساب اور تریسٹھ کی عمر میں

سنگین گنتی

ہم نادانوں کو سمجھائیں، ایسے میں
امن و اماں کی اِن سے ہم کیا رکھیں آس
تھانے کی نفری ہے چودہ بندوں کی
اور ڈاکو کے گینگ میں ہیں افراد پچاس

جینز اور جین

کون لڑکا ہے، کون لڑکی ہے
مخمصے میں بہت سے دیکھے ہیں
جینز تو مختلف ہیں اِن سب کی
جین یکساں پہنتے دیکھے ہیں

(آلِ رضا کی غزل کی پیروڈی)

ظالم سسروں کی یہ کہانی، دل کو نہ کیوں تنگنائے بہت
اپنے گھر کم رہنے والے، میرے یہاں دندنائے بہت

جب مس گل نے لفٹ کرائی، کشتی اپنی جلا کے چلے
اپنا کباڑا کر کے چھوڑا گو کہ سڑی کہلائے بہت

دردِ محبت کیا کیا بخشے، پاسِ محبت کچھ نہ سہی
ایک اڑنگی کا ہو گلہ کیا، اُس نے کرم فرمائے بہت

قسمت کا یہ پھیر بھی دیکھا، شامت بڑھ بڑھ آن ملی
موقع بے موقع مل کر رقیبا مجھ کو گھیرنے آئے بہت

جل ککڑوں نے بات پہنچا دی، سسروں کے کھولانے کو
ہم بھونڈی کا کھیل جو کھیلے، کھیل کے پھر پچھتائے بہت

جب وہ آئیں حشر اٹھا کر تو یہ فرض ہو جاتا ہے
عشق بھی اُلّو بن بن جائے، حسن اگر اِترائے بہت

ٹاکنگ شو کا پتلی تماشہ، ہے تو ظفرؔ دلچسپ بہت
جس پہ "سوپچو"، جس کو دیکھو، انجوائے کروائے بہت

زور و زر کے کاز میں ہے گھن گرج
نطقِ مُکّا باز میں ہے گھن گرج

اِتنا دہلائے کہاں ابر و رعد
جس قدر ”اِن لاز“ میں ہے گھن گرج

کس نے چابی دی ہوئی ہے آپ کو
رن تو رن ہے، پاز میں ہے گھن گرج

کُو دے کس کھونٹے پہ کٹّا دیکھئے!
لہجۂ شوباز میں ہے گھن گرج

ویسے اٹکل تو نہیں ٹیک آف کی
جیٹ ہے، پرواز میں ہے گھن گرج

زمزمہ پیرا کوئی وڈ کا ہوا
گیت میں ہے، ساز میں ہے گھن گرج

نکے ماڑے سے مخاطب ہے کوئی
بے سبب آواز میں ہے گھن گرج

اُس کُڑی کی ہے پھندر فیملی
بسکہ اُس کے ناز میں ہے گھن گرج

منحنی آواز ہے شہباز کی
ہاں مگر شہناز میں ہے گھن گرج

اپنے پدّے کو سمجھ رکھا ہے شیر
سو بٹیرے باز میں ہے گھن گرج

دیکھئے کیا حال ہو انجامِ کار
ٹھیک ہے، آغاز میں ہے گھن گرج

شہر کے امن و اماں کی خیر ہو
مولوی گلباز میں ہے گھن گرج

غیر ممتازوں پہ نکلے گی بھڑاس
آج مس ممتاز میں ہے گھن گرج

ایک تروینی

"فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی یا مردِ کوہستانی"

گر بھٹو وہاں زندہ اور مُلّا یہاں نہ ہو

بھارت

(لمرک)



ہمسائے میں ایسا بندہ رہتا ہے
اپنی طرف سے کن ٹُٹا جو بنتا ہے
سب سے لیتا ہے پنگا
کرتا پھرتا ہے دنگا
لیکن روز ہی سب سے پِٹ کر آتا ہے

یُونہی نہیں ہیں بھاگے محبوب کی گلی سے
پیچھے پڑے تھے کُتّے محبوب کی گلی سے

کہتے تھے ڈون خود کو، دِکھتے ہیں پون خود کو
آئے ہیں دُم دبا کے محبوب کی گلی سے

اب جادۂ وفا میں یوٹرن لے رہے ہیں
جتنے فدائی نکلے محبوب کی گلی سے

اُن کو نچا رہا ہے وہ ناچ تگنی والا
جو ڈالتے تھے بھنگڑے محبوب کی گلی سے

سب کو عزیز دیکھا اپنا ہی حلوہ مانڈہ
ہم کو ملے ہیں ٹھینگے محبوب کی گلی سے

آئے تھے منھ اُٹھا کے رستوں میں رستہ پا کے
نکلے ہیں سخت اوکھے محبوب کی گلی سے

سب پر بپھر کے نکلے، اعلان کر کے نکلے
آئے بجا کے کھمبے محبوب کی گلی سے

کپڑوں میں بھی کلف تھی، چمکے تھے بو دے، پھر بھی
ہو کے نہ آئے اوکے محبوب کی گلی سے

بڑھکیں عبث لگائیں، تڑیاں عبث جمائیں
تڑوا کے آئے ٹخنے محبوب کی گلی سے

آتنگ وادی

(نظمِ معین)



مرغے!
بانگیں دینا
تیری خُو ہے مانا
بانگ سحر تک ٹھیک ہے لیکن
شب بھر شور مچانا
موزوں ہے کیا؟
مرغے!

(احمد فراز کی غزل کی پیروڈی)

سبزہ و گل ڈنگر چرتے جاتے ہیں
سارے منظر گویا "وڑتے" جاتے ہیں

پھر سے بیوٹیشن سے ملنے کا ہے سمے
پھر سے اُن کے روپ ہی جھڑتے جاتے ہیں

شب پھر کاکے کے رونے کی سازش پر
کیسے کیسے خواب بکھرتے جاتے ہیں

آج نہائے ہیں تو کیا بہروپ کھلا
کیسے کیسے میل اُترتے جاتے ہیں

مسجد میں کب خود کش حملہ ہوتا تھا
اب تو وہاں بھی ڈرتے ڈرتے جاتے ہیں

کیچڑ زدہ رہگیروں کو تو غور سے سُن
یوں ہیں جیسے "گالاں کڈھتے" جاتے ہیں

ہم نے حسن کا چندہ مانگا اور دلبر
سُرخی سے ہونٹوں کو بھرتے جاتے ہیں

جب نائی کے بھاؤ سُنے تو ہول اُٹھے
دولہے اپنے آپ سنورتے جاتے ہیں

راز لگا کیا ہاتھ کہ سب ہمسائے مرے
سب سے میری باتیں کرتے جاتے ہیں

حُسن کے غمزے کو سونگھ
عشق کے خطرے کو سونگھ

دال کھا تقدیر کی
مت کسی حلوے کو سونگھ

سونگھتا ہے کیوں تجھے؟
سونگھنے والے کو سونگھ

دیکھ جو آئے نظر
اور اَن دیکھے کو سونگھ

اِس میں کتنا ہے فریب
یار کے وعدے کو سونگھ

جو ہے بہرِ آملیٹ
اُس میں مت چوزے کو سونگھ

جیب میں تو کچھ نہیں
دور سے چرغے کو سونگھ

بھونک ہر کمزور پر
دیو کے تلوے کو سونگھ

کس ہوا میں ہے ظفرؔ
نغز گو شوخے کو سونگھ

وہ صنم

بڑا کرتے ہیں جو اُن کو سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں
ہمارے واسطے کوئی بلا بن بیٹھتے ہیں وہ
جنہیں ہم دیتے ہیں عزت وہی نخرے دکھاتے ہیں
صنم جن کو بناتے ہیں، خدا بن بیٹھتے ہیں وہ

چمچہ گیری

دفتر میں بس ایک ہی
بیچنے والا منجن ہے
چمچہ گیری ہو تو پھر
اے سی آر بھی اے ون ہے

ناممکن ہے سسروں سے ہر بار صلح
دہشت گردوں سے ہو کیسے یار صلح

پہلے میرے پچھواڑے پر کس کے دِی
اور پھر اُن کو فوراً ہے درکار صلح

چمچے کڑچھے ٹکراتے ہیں تو کیا ہے
"وڈکوں" میں ہے یار، پسِ دیوار صلح

ایک تماشا ہے زوجین کا جھگڑا بھی
کر لیتے ہیں کر کر کے تکرار صلح

ناکوں نے ڈالا ہے سروں کو مشکل میں
کرنے نہ دے آپس میں پندار صلح

کر لیتے ہیں بیچ میں رکھ کے اِک کشمیر
دھوتی والوں سے اہلِ شلوار صلح

تُو تُو میں میں اب بھی جاری رہتی ہے
لا حاصل جھگڑے سی ہے بیکار صلح

چھٹتا ہو گا کیسے نشہ خونخواری کا
کرتے ہوں گے کس دِل سے لٹھ مار صلح

رکھ کے امکاں آئندہ بھی جھگڑوں کا
کروائیں جھگڑوں کے ذمہ دار صلح

انگریزیاں

میں قید کیوں ہوں گرامر کے بھید بھاؤ میں
کہ بزم ہے مجھے بڑبولیوں پہ لائی ہوئی
پڑھا لکھا کوئی نزدیک کیوں سرک آیا
وہ کیا کرے جسے انگریزیاں ہیں آئی ہوئی

چھان بُورا

ایک دو اوراق ہی کافی ہیں تیرے وصل کے
کب ہمیں درکار ہے دفتر ہی پورا عشق کا
ہم کو آتا ہے گزارا کرنا، بسکہ ٹھیک ہے
ہم کو مل جائے ذرا سا چھان بُورا عشق کا

(احمد فراز کی غزل کی پیروڈی)

ہر ایک بات نہ کیوں زہر سی ہماری لگے
میاں کو جب کوئی ہمسائی پیاری پیاری لگے

جو دیکھ لے تو مسلسل یہ دِل بہت دھڑکے
کبھی کبھی جو تری کیفیت اچاری لگے

اگر چہ ارزاں ہی بھاؤ فراکِ یار کے ہیں
کوئی خریدنے بیٹھے تو زخم کاری لگے

علاج اُس شترِ بے مہار کا کیا ہو
کہ ہاکی جیسا جسے کھیل ''مارا ماری'' لگے

ہمارے پاس بھی بیٹھو بس اتنا چاہتے ہیں
ہمیں لگا ہے کرونا، تمہیں بھی پیاری لگے

یہ کیا ضرور کہ سب کی نگاہیں ہوں کمزور
یہ کیا ضرور وہ صورت سبھی کو پیاری لگے

دِل ہے غمِ لیلیٰ شناس
یہ چور ہے تالا شناس

کرتی نہیں چون وچراں
جمہوریت ڈنڈا شناس

تُو حُسن کی کومل سہی
عاشق ترا بھنگڑا شناس

ہمسائی نہ تِلکا سکے
امّی جو ہو ابّا شناس

کس تو ند میں ہے ٹکڑوں کو ں
سب شہر تھا مرغا شناس

یہ پارلر کی جنس ہے
ہر کوئی ہے گڑیا شناس

دُلہن نے ہاں کہنی نہ تھی
ہوتی اگر دُلہا شناس

یہ باؤلر کا ہے ریاض
بیٹر نہ تھا چھکا شناس

پھیلیں نہ یونہی انڈین
ہو جائیں کچھ انڈیا شناس

دولتیاں کھائے عبث
خر آشنا، گھوڑا شناس

کیا مُدّعائے دِل کہیں
خاموش ہیں ٹھینگا شناس

ساقی کی آنکھوں سے پئیں
جو رِند ہیں صہبا شناس

کھاتے ہیں ہوٹل میں مٹن
شاید نہیں کھوتا شناس

رسوائے عالم ہی رہا
ہر اخترِ سلمیٰ شناس

حلوہ نہیں لایا ظفرؔ
کیسا ہے تُو مُلّا شناس

پاپولیشن کنٹرول

(لمرک)



کاہے کو لگ گئے ہیں بیکار غور پر ہم
آبادی کے ضمن میں کیوں جائیں اور پر ہم
کیوں حد لگائیں اِس پر
آبادی کو بڑھا کر
دنیا پہ چھا نہ جائیں جمہوری طور پر ہم؟

آستینوں میں رہ رہے ہیں سانپ
پا کے خود میری شہ رہے ہیں سانپ

اُن کے لہجے میں بولتی ہے سانس
اُن کی باتوں میں بہہ رہے ہیں سانپ

تیرے میرے لئے تو یکساں ہیں
جو گہ منگوز گہ رہے ہیں سانپ

کل بڑا شوقِ عقد تھا اُن کو
آج سسروں کو کہہ رہے ہیں سانپ

ہے کچھ ایسی مماثلت کہ یار
یار لوگوں کو کہہ رہے ہیں سانپ

عشق کا بھوت چڑھ گیا کیسا
ڈنک ناگن کے سہہ رہے ہیں سانپ

یہ اندھیروں میں ہی نہیں ڈستے
بر سرِ ضوئے مہ رہے ہیں سانپ

وہ ارسطو ہیں سب کی نظروں میں
کنکھجورے کو کہہ رہے ہیں سانپ

جیسے پنکی کے گھر کی بیری ہو
ٹہنی ٹہنی سے ڈھہہ رہے ہیں سانپ

(اجمل نیازی کی غزل کی پیروڈی)

اِک سسٹم فتنہ بازوں کا اور ہم سب اِس میں رہتے ہیں
اِک ملک ہے گنجوں منجوں کا اور ہم سب اِس میں رہتے ہیں
اِک ٹھینگا قومی معیشت کا ہم جس کی دھول میں دھول ہوئے
اِک پی ایم سمبل منگتوں کا اور ہم سب اِس میں رہتے ہیں
اِک گینگ ریاست بن بیٹھا اور ہم سب کو انگیج کیا
اِک خطّہ ہے بدروحوں کا اور ہم سب اِس میں رہتے ہیں
اِک جاب ہے وہ بھی سرکاری پر ہاتھ کہاں آپائے گی
اِک عہد ہے پرچی والوں کا اور ہم سب اِس میں رہتے ہیں
اِک خواب دبئی کے ویزے کا ہر شب ہی ہم پر ہنستا ہے
اِک نیند خرابہ چرسوں کا اور ہم سب اِس میں رہتے ہیں
اِک شخص کنوارا پنچھی تھا بیچارہ عقد کا رزق ہوا
اِک آنگن ٹھہرا سسروں کا اور ہم سب اِس میں رہتے ہیں

دونظری

مانا کہ ایک آنکھ لڑائی مجھ ہی سے تھی
چشمِ دگر تھی اور کہیں پر لگی ہوئی
بسکہ جلی ہے اِک مری دُم کس لئے کہ جب
دونوں طرف تھی آگ برابر لگی ہوئی

کیوں؟

تیری نظریں مجھے کہتی ہیں جنم کا بھوکا
کھانا پینا تھا مجھے اور میں آیا کیوں تھا
میرے کھانے پہ اگر تُو نے نظر رکھنی تھی
یہ بتا پھر مجھے دعوت پہ بلایا کیوں تھا

منفعت تو خیر کیا دے پائے سچ
فی زمانہ متھے ہی لگ جائے سچ

تیرا میرا سچ بھی ہے جھینپا ہوا
لیڈروں کا جھوٹ بھی کہلائے سچ

نظریہ ہے یہ بھی دھوتی مارکہ
جھوٹ اِتنا بول کہ بن جائے سچ

دِن میں تارے تو نظر آنے ہی تھے
جھوٹ سے کیا سوچ کر ٹکرائے سچ

جھوٹ ہو تو سارے فر فر بول دیں
جس بیاں کو داغتے ہکلائے سچ

مصلحت بھی گویا فیشن ہو گیا
ایک دنیا جھوٹ کو پہنائے سچ

سر پہ جب ڈنڈا ہو لہراتا ہوا
کس طرح جھوٹے کو پھر جھٹلائے سچ

یہ سراسر جھوٹ کا بیوپار ہے
چینلوں اخباروں سے شرمائے سچ

مستند ٹھہرا ظفرؔ جی کا کہا
ہم تو کہہ کر رہ گئے بس ہائے سچ

دھیان

یوں تو گئے تھے رب کی عبادت کے واسطے
پر قبلۂ ایمان کہیں اور ہی رہا
جوتے نئے پہن کے جو مسجد میں ہم گئے
سجدے میں بھی دھیان کہیں اور ہی رہا

رشوت

مانا کہ بڑی چیز ہے چکنائی سخن کی
لیکن یہاں ہر کوئی پھسلتا نہیں جاناں
پڑ جاتی ہے کرنی کہیں رشوت بھی ہمیں پیش
ہر کام خوشامد سے نکلتا نہیں جاناں

(احمد فراز کی غزل کی پیروڈی)

وہ محوِ تاڑ تو شام و سحر نہ تھے ایسے
بجا او باش بہت تھے مگر نہ تھے ایسے

بہت فضول سے چہرے دکھائی دیتے ہیں
کہ پہلے تو کبھی لیڈر کے شر نہ تھے ایسے

وہ اب تو لات بھی جڑتا ہے بے تکلفی سے
کہ اُس سے اپنے مراسم تھے پر نہ تھے ایسے

اڑنگیوں سے گرا ہوں مسافتوں سے نہیں
سفر وہی تھے مگر ہم سفر نہ تھے ایسے

فقط تمہیں تھے جو مجھ سے جلے سڑے ورنہ
سبھی رقیب سرِ رہگذر نہ تھے ایسے

وہ بل بھی پیش کریں نسخۂ تسلی پر
دلِ مریض ترے ڈاکٹر نہ تھے ایسے

سخنوروں کے یہ قرضے ہزار غزلوں کے
جو تجھ پہ ہیں وہ کسی اور پر نہ تھے ایسے

اپنی سُر مستی میں ڈکرائے چلے جاتی ہے منج
یا غزل میرؔ کی دھرائے چلے جاتی ہے منج

کتنی غمگین سی کر دی ہے فضا باڑے کی
حالِ دِل سانڈ سے فرمائے چلے جاتی ہے منج

تربتر سا کئے رکھتی ہے مقدر گھی سے
بے مزہ زیست کو مکھنائے چلے جاتی ہے منج

دودھ دیتی نہیں بس تیرے مرے کاکوں کو
اپنے کٹے کو بھی ممتائے چلے جاتی ہے منج

اُس کی آنکھوں کو کبھی غور سے دیکھا ہے فرازؔ
کیا غزالاں سی نظر آئے چلے جاتی ہے منج

۔۔ق۔۔

اپنی رنگت پہ غرور اِس کو کہاں ہے پھر بھی
شبِ دیجور سے ٹکرائے چلے جاتی ہے منج

دلِ عشاق میں کیوں گھر نہیں کر پاتی ہے
گیسوئے یار کو شرمائے چلے جاتی ہے منج

آپ جل بھُن کے اُسے کہیئے نہ "ڈبی کتّا"
پردۂ آب میں بل کھائے چلے جاتی ہے منج

رشک سے دیکھئے موصوف کی بس شانِ خرام
پوچھتے کاہے کو ہیں "کائے" چلی جاتی ہے منج

سر کڑاہی میں ہے اور پانچوں ہیں گھی میں اِن کی
سب گوالوں کو ”گوالائے“ چلے جاتی ہے منج

کسی کھونٹے سے اِسے باندھ کے رکھئے کہ ظفرؔ
میری غزلوں میں بھی دندنائے چلے جاتی ہے منج

سیلاب ۲۰۲۵ء

آدم زادوں کی توسیع پسندی سے
ٹکرائے اور اپنا حصّہ موڑ لیا
لے آئے سیلابی غنڈے اپنے ساتھ
دریاؤں نے اپنا قبضہ موڑ لیا

یہ دِل اظہارِ الفت کے لئے بل کھا کے رہ جائے
مآلِ کار کے ڈر سے زباں تُتلا کے رہ جائے

کسی ٹھرکی کو کوئی دیکھنے والا لَٹا نہ لے
کسی کے ڈھیٹ پن پر جب کوئی شرما کے رہ جائے

یہ دورِ ٹی ٹوئنٹی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ
تمہارے احتیاطِ عشق پر اُکتا کے رہ جائے

وہ دورِ نو کا مجنوں ہے سو کچھ کم حوصلہ بھی ہے
یہ سنگِ آساں سے ہی نہ سر ٹکرا کے رہ جائے

کسی لاہوریے سے راستہ پوچھا نہیں کرتے
جہاں سے تُو چلا تھا پھر وہیں نہ جا کے رہ جائے

قدم گن گن کے رکھتے ہیں بہت رہرو وفاؤں کے
تمہاری زلف کا رستہ نہ پھر الجھا کے رہ جائے

رقیبِ روسیاہ میری فتوحاتِ محبت پر
سگِ لیلیٰ کی صورت کس لئے غُرّا کے رہ جائے

مرے ساقی سے کچھ ڈالا نہ جائے میرے ساغر میں
مگر ہاں میرے کپڑوں پر وہ مئے چھلکا کے رہ جائے

وہ اپنی نثری نظمیں بھی سُنا ڈالے دھڑلے سے
غزل ہم سے سُنے تو بے طرح ڈکرا کے رہ جائے

فدائے میڈم کنول رہے ہیں بغیر سوچے بغیر سمجھے
مزاجِ آہن پگھل رہے ہیں بغیر سوچے بغیر سمجھے

جہاں جہاں تُو نے رنگ ڈالا، جمالِ یکتا کا بھنگ ڈالا
وہاں وہاں ہم "چول" رہے ہیں بغیر سوچے بغیر سمجھے

ٹرائی تو پوری کی ہے اُن پر مگر نہ کر پائے موم یکسر
سو اُن کے سانچے میں ڈھل رہے ہیں بغیر سوچے بغیر سمجھے

وہی ہیں لیڈر، وہی ہیں نعرے، وہی ہیں دیگیں، وہی ہیں چمچے
اُچھل رہے تھے، اچھل رہے ہیں بغیر سوچے بغیر سمجھے

زمانہ پٹّی پڑھا رہا ہے، یُوں دنیا داری سکھا رہا ہے
وہ ڈھیٹ پن میں ڈبل رہے ہیں بغیر سوچے بغیر سمجھے

یہی زمانے کا ہے تقاضہ یا اُن کی فطرت کا شاخسانہ
بدلنے والے بدل رہے ہیں بغیر سوچے بغیر سمجھے

سمجھ نہ پایا شعورِ باطل، یہ انگبیں ہے یا زہرِ قاتل
نِگل رہے ہیں، اُگل رہے ہیں بغیر سوچے بغیر سمجھے

وہ جن کے بارے میں سوچتے تھے بڑھیں گے مردانہ وار آگے
زنانہ سی چال چل رہے ہیں بغیر سوچے بغیر سمجھے

نئے زمانے میں اِس کا فیشن کہاں کہ چڑھاتے ہیں نیا چن
وفا کی ٹہنی پہ پھل رہے ہیں بغیر سوچے بغیر سمجھے

ہم ایسی باتوں پہ کیوں نہ کھولیں، غزل سنائیں تو تیر ہو لیں
(وہی جو جانِ غزل رہے ہیں) بغیر سوچے، بغیر سمجھے

ایک اور نظمینہ

(مجید امجد مرحوم کی نظم "ایک نظمینہ" کی پیروڈی)

ٹیڑھے منہ اور کالی باتیں
باتیں کیا ہیں، نِری ہیں لاتیں
اُف توبہ یہ لڑکی والے!
مت سُن اِن کی اور، بائیک موڑ ہی لے!

دھیرج اے ازلوں کے کنوارے
سُسرے ہیں نخروں میں سارے
جاب کا پوچھیں بڑھ بڑھ سالے
گویا لگائیں مول، بائیک موڑ ہی لے!

ڈھیٹ نہ بن، یہ دیکھ کے ہی ٹل
بولتے ہیں کیا ماتھے کے بل
اے رے دُکھے ہوئے دِل والے
اب نہ زیادہ سوچ، بائیک موڑ ہی لے!

بے مہار غزل

ایسے برتاؤ مقدر بن گئے
جیسے لینے کوچۂ دلدار میں ہم عشق کی کھر چن گئے

اور تو دانش کے لشکارے نہیں مارے کہیں
ہاں سجا کر اپنے سر پر چن گئے

uni میں پھر تیرے میرے عشق کا افسانہ نہ دھرائیں جا کر یہ چول
تیری بھی daughter گئی اور میرے بھی دو son گئے

ترجماں ایوانِ بالا میں تو کیا بنتے بھلا لیڈر مرے
بیچنے بس اپنا ہی منجن گئے

اِس لئے اُن کے پسندیدہ ہیں وہ
باس کے دفتر لگانے کے لئے ہر روز ہی صبح و مسا مکھن گئے

تیری ضد پوری جو کی تیرے خصم نے تو بہن! اُس پر لگانے کے لئے
کتنے پاؤ نالہ و شیون گئے

یہ تو حُسن و عشق کی روٹین ہے
ہم اُنھیں تاڑن گئے اور وہ ہمیں گھورن گئے

ہم نے تو اُن کو پکارا تھا شریف
کیا خبر اِس بات پر وہ کس لئے تن فن گئے

گیتوں کی وادی میں اپنے ساتھ چلتی خاک اپنی زندگی کی ہمسفر
شاعری کو جب بنا کر اُس کی ہم سوتن گئے

اُڑ گئی جو نیند آدھی رات کو
اِس قدر تھی بیکلی ہم تین غزلیں جن گئے

نہ رکھیں یوں گوری ترے لال بُلھ
مسلسل خموشی ترے لال بُلھ

نہیں، ایروں غیروں سے کہتے نہیں!
نہ چنگی نہ مندی ترے لال بُلھ

بہت سوں کو یوگی بنائے تو ہیں
لپ اسٹک کے روگی ترے لال بُلھ

بوقتِ ضرورت میزائل بنیں
میزائل بھی "غوری" ترے لال بُلھ

یہ کیہڑا تو تیرا رہے گا کھڑا
کہیں گے نہ "سوری" ترے لال بُلھ

محبت کا ابلاغ ہے عالمی
نہ عربی نہ عجمی ترے لال بُلھ

محلے کے ٹھرکی فسانہ ہوئے
بنے سب کی سُرخی ترے لال بُلھ

سماعت کا آنگن ہے ٹیڑھا مگر
رہیں رقصاں یونہی ترے لال بُلھ

مرے ہم وطن سب کے سب اہلِ دل
اثاثہ ہیں قومی ترے لال بُلھ

چلے پیشِ شوہر زباں روز و شب
بنیں گویا قینچی ترے لال بُلھ

ذرا ہینکی پھینکی کرے جو صنم
بنیں پُلس چوکی ترے لال بُلھ

ایک اور ۔۔۔

کام ایویں ای بن نہ پائے گا
اِس پہ تھوڑا سا غور لازم ہے
گیس بجلی کا بل چکانے کو
نوکری ایک اور لازم ہے

Master of none۔۔۔

لوگ ذمہ داریوں سے سرخرو کیا خاک ہوں
سب کو سب کچھ آ گیا ایمانداری کے سوا
ہم نے جن کو اپنا چوکیدارہ سونپا تھا ظفرؔ
وہ سبھی کچھ کر رہے ہیں چوکیداری کے سوا

مشق دروازے سے کاہے کی وہ فرمائے دھڑادھڑ
صورتِ طبلہ بجاتا ہی چلا جائے دھڑادھڑ

اب تو اخبار کے زمرے میں یہی دیکھا ہے ہم نے
جھوٹ کے پر جسے لگ جائیں وہ بِک جائے دھڑادھڑ

یُوں کسی جلوے نے بیچارے کو چندھیایا ہوا ہے
کار کو لا کے ٹرک والے سے ٹکرائے دھڑادھڑ

کسی کم بخت نے تعریف یونہی گیت کی کر دی
وقت بے وقت بہر سمت وہ ڈکرائے دھڑادھڑ

ٹائلٹ کی بھی نہ سوجھے کہیں ظالم کو کسی دن
سیلفی ہر جا پئے ٹک ٹاک وہ فلمائے دھڑا دھڑ

مجھ کو سالوں سے چھڑانے کا تردد نہیں کرتے
دیکھنے کے لئے آتے تو ہیں ہمسائے دھڑا دھڑ

ایسا بجلی کا یہ جھٹکا مجھے دے جائے کہ توبہ
ہر دفعہ بجلی کا بِل ریں میری سِر کائے دھڑا دھڑ

بات کرتے ہوئے کڑیوں سے بھی باز آئے نہ ہرگز
یہ الگ بات مگر ساتھ میں ہکلائے دھڑا دھڑ

کیا اسے اُلّو بنانے کا سمجھ بیٹھی ہے نسخہ
میرے جذبات کی شہ پا کے وہ اِٹھلائے دھڑا دھڑ

بے مزہ بھی ہوں سرِ عام پٹے جانے پہ کیانی
اور کرتے رہیں حق بات کا انیائے دھڑا دھڑ

مٹی پلید

(فلم "صاعقہ" کے لئے لکھے گئے مسرور انورؔ کے نغمے کی پیروڈی)

اِک بجٹ اور مری جاں، ابھی جاں باقی ہے
دِل میں اب تک تری بریانی کی تھاں باقی ہے

جرمِ تحسینِ ذلالت کی سزا دے مجھ کو
کچھ تو بے طرح حماقت کا صلہ دے مجھ کو
عقل کا مغز میں بوٹا نہیں پھوٹا ہے ابھی
ہاتھ سے جہل کا دامن نہیں چھوٹا ہے ابھی
"چوئے" جانے کو یہ اللہ کی گاں باقی ہے
اِک بجٹ اور مری جاں، ابھی جاں باقی ہے

یوں کرپشن سے مرے دیس کا دامن بھر دے
مجھ سے "چولوں" کو بھی آگاہِ اذیت کر دے
دیکھ ٹوٹے ہیں ترے لات و منات آج نہ کل
آ کہ اب تک تری باتوں پہ بجاتے ہیں بغل
"آوے ای آوے" کا اِک شورِ سگاں باقی ہے
اِک بجٹ اور مری جاں، ابھی جاں باقی ہے

خصماں کھانی ہے کس ڈیزائن کی
تُو بھی یعنی ہے کس ڈیزائن کی

چودھری جی ہیں چرمرائے ہوئے
چودھرانی ہے کس ڈیزائن کی

---ق---

آگ ہی نہ لگائے پانی میں
تو جوانی ہے کس ڈیزائن کی

لائنیں دینے لگ گئی ہے کُڑی
چھیڑ خانی ہے کس ڈیزائن کی

کوئی پوچھے تو کنگلے راجے سے
تیری رانی ہے کس ڈیزائن کی

اب تلک بے خبر ہے چھوٹی بڑی
درمیانی ہے کس ڈیزائن کی

چونچ تیری بھی گم ہے اُس کی طرح
کامرانی ہے کس ڈیزائن کی

کام پڑ جائے تو بچھا آئے
لن ترانی ہے کس ڈیزائن کی

میرے چودہ طبق ہوئے روشن
مہربانی ہے کس ڈیزائن کی

جس سے اُس کا میاں ہو ”نکونک“
وہ زنانی ہے کس ڈیزائن کی

نیگیٹو لگ رہی ہے تو اُن کا
امّاں جانی ہے کس ڈیزائن کی

خان کے سر کے گومڑوں سے عیاں
کہ پٹھانی ہے کس ڈیزائن کی

"پِٹ سیاپا" پڑا ہے نندوں میں
گلفشانی ہے کس ڈیزائن کی

خدا جانے

لیڈر کو اِس بات کا ہے ادراک کہاں
اہلِ وطن ہیں فدا یا اُن سے سڑے ہوئے
اُن کے پیچھے سر دینے کو ہیں تیار
یا سر لینے کو ہیں پیچھے پڑے ہوئے

جُوتا

(مجید امجدؔ مرحوم کی نظم "بُندا" کی پیروڈی)

کاش میں تیرے کسی پاؤں کا جوتا ہوتا
کسی تاڑُو کی نگاہوں پہ مچل جاتا میں
تو "حتف ٹو یا تھری" کی طرح چل جاتا میں
اُس کی پیشانی سے ٹکراتا تو وہ پیکرِ فول
گومڑہ پڑتا ہوا دیکھ کے ہو جاتا ملول
بھاگنے لگتا عجب عالم گھبراہٹ میں
ضربِ ٹھوکر بھی جما دیتا اُسے نٹ کھٹ میں
پھر سے کر لیتیں تری انگلیاں محبوس مجھے
ملتا اُس پاؤں کا پھر گوشۂ مانوس مجھے
بے وجہ تُو مجھے ہرگز نہ اُتارا کرتی
دیکھ لے پاؤں کوئی، کیسے گوارا کرتی
خود پہ سہہ لیتا ترا وزن، ہو دو من بھی بھلے
عمر بھر رہتا مری جاں میں ترے قدموں تلے
کاش میں تیرے کسی پاؤں کا جوتا ہوتا

یُوں نہ تری مُنّے کی ماں سے جنگ ہو
جیسے کسی بھینسے کی گاں سے جنگ ہو

خود کو اڑنگی دیتا ہے کوئی بھلا
کیسے مکینوں کی مکاں سے جنگ ہو

پٹنے کو ناداں بیچ میں آ جاتے ہیں
جب بھی فلانے کی فلاں سے جنگ ہو

کر دیتا ہے حملہ وہ پاکستان پر
انڈیا کی جب ہندوستاں سے جنگ ہو

رہتے نہیں ہیں پُرسکوں پھر آر پار
جب بھی کہیں پر درمیاں سے جنگ ہو

اِس بات پر بیٹھے کمیٹی امن کی
اب کس طرح ہو اور کہاں سے جنگ ہو

ایسے بھلا کیسے سفر کٹ پائے گا
گھوڑے کی جب اپنی عناں سے جنگ ہو

رہگیروں کے ذوقِ تماشا کے لئے
رہرو کی میرِ کارواں سے جنگ ہو

ماری ہے بونگی کیسی لکھنے والے نے
کردار کی اور داستاں سے جنگ ہو؟

اِس ملک کی تاریخ یوں ہے، جس طرح
اقبالؔ کی خوابِ گراں سے جنگ ہو

یوں تلملائے پھر رہا ہوں ہر سمے
جیسے زمین و آسماں سے جنگ ہو

سُن کر، کراچی والوں نے کیا کیا کرا
اُردو کی پھر اہلِ زباں سے جنگ ہو

اُلجھے غمِ جاناں غمِ جاں تو پھر
کیوں نہ حدیثِ دوستاں سے جنگ ہو

وہ راز کہہ بیٹھے ہیں سارے شہر کو
آخر کو کس کس رازداں سے جنگ ہو

ایسے بیاں جاری نہ کر جن کی ظفرؔ
خود اپنے ہی رنگِ بیاں سے جنگ ہو

مینھ



شریر ابر پاروں سے برپا ہے دنگل، برستا ہے مینھ
کڑکتی ہے بجلی، گرجتے ہیں بادل، برستا ہے مینھ

یہ رم جھم تو رقاصاؤں کی طرح کب سے رقصاں ملے
بہر سمت جیسے چھنکتی ہے پائل، برستا ہے مینھ

یہ ساون کی دھوبن تو لگتا ہے دھو دے گی سارا شہر
جھڑی لگ گئی ہے سو منگل تا منگل برستا ہے مینھ

ٹپکتے چلے جا رہے ہیں غریبوں کے ٹپ ٹپ مکاں
چھتوں کے نکالے چلا جائے کس بل، برستا ہے مینھ

شکایت ہے صاحب کو بارانِ رحمت سے بس اِتنی سی
نہیں ہے یہ واٹر ذرا بھی تو منرل، برستا ہے مینھ

لگے عاشقوں کو کہ پیرِ فلک رو رہا ہے مگر
وہ پیرِ فلک تو مچائے ہے ہلچل، برستا ہے مینھ

ترا غم مرے دِل سے سینگیں لڑائے تو میں کیا کروں
تری یاد آئے تو ہو جائے جلتھل، برستا ہے مینھ

وہ ماہِ دسمبر ہو یا بخت میں موسمِ برشگال
پئے شعر گوئی یہ موسم ہیں افضل، برستا ہے مینھ

نمانی کچن میں پکوڑے بنائے چلی جاتی ہے
کہ بیگم کے متھے لگا کوئی توندل، برستا ہے مینھ

فراغت ہمیں شغلِ آوارگی کی نہیں دے رہا
کوئی لے کے بیٹھا ہے پانی کی چھاگل، برستا ہے مینھ

میں چھتری سنبھالوں یا خود کو نکالوں یہاں سے بھلا
ہر اِک راستہ رہ گیا بن کے دلدل، برستا ہے مینھ

میں لوٹا ہوں گھر تو یہ احساس مجھ کو ہوا ہے ظفرؔ
نجانے کہاں رہ گئی میری چپل، برستا ہے مینھ

زندگانی اِک غزل ہے اور تُو اِس کی ردیف
یہ بھی اِک بحرِ رمل ہے اور تُو اِس کی ردیف

عقد کی لِلّتر پریڈوں کے لئے حاضر ہے حُسن
عشق اِک شعرِ "چول" ہے اور تُو اِس کی ردیف

چھڑ گئی سسرال میں پھر اِک مسلسل سی غزل
(ساس کے ماتھے پہ بل ہے) اور تُو اِس کی ردیف

دیکھئے تبدیل ہوتے ٹھرکی قافیے
یہ بھی اِک طرزِ عمل ہے اور تُو اِس کی ردیف

نغز گوئی ایک پاگل پن ہے ذوقِ زیست کا
عمر کی لمبی ٹنل ہے اور تو اِس کی ردیف

تیرا میرا ہے تعلق یا کوئی آزاد نظم
اِس کا ہر مصرع پزل ہے اور تُو اِس کی ردیف

اِس قدر آزاد ہے تو نظم کہلاتی ہے کیوں
کچھ نہ کچھ اِس میں خلل ہے اور تُو اِس کی ردیف

زیست کے اخبار میں تقدیر چھاپے یا نہیں
ہر رباعی برمحل ہے اور تُو اِس کی ردیف

مطلع تا مقطع ترے کوچے میں دندنائے غزل
اِس لئے تو بے بدل ہے اور تُو اِس کی ردیف

مصلحت کے دور میں منہ پھٹ سا ہے تیرا ظفرؔ
بے مہاری سی ہزل ہے اور تُو اِس کی ردیف

وفا کا رنگ جمایا، جما کے چھوڑ دیا
کہ ہم سے تھانہ ملایا، ملا کے چھوڑ دیا

ہُوئے ہیں نشر سبھی گھر میں اُن کے خرّاٹے
یُوں سوئے، سب کو جگایا، جگا کے چھوڑ دیا

نظر نواز ہوئی جب بھی لسّے کی گِچّی
تو ایک کس کے جمایا، جما کے چھوڑ دیا

بتایا ہم کو ہمارے عزیزوں میں سے ہیں
اَڑنگی دے کے گرایا، گرا کے چھوڑ دیا

عجیب محفلِ کج بحثاں تھی کہ بہرِ دلیل
کسی نے ہاتھ نچایا، نچا کے چھوڑ دیا

نئے زمانے کی لیلیٰ بھی کیا ستمگر ہے
کہ ہم کو مجنوں بنایا، بنا کے چھوڑ دیا

کھلی جو آنکھ سحر دم، گئے ہوائی قلعے
بنا بنایا گنوایا، گنوا کے چھوڑ دیا

ہمارے اُن سے مراسم تھے فیس بک پہ بہت
پھر اُس نے جلوہ دکھایا، ڈرا کے چھوڑ دیا

بغل میں دیکھ کے دیوان گڑبڑا سے گئے
غزل سُنانے بُلایا، بلا کے چھوڑ دیا

(احمد فراز کی غزل کی پیروڈی)

سالا ارسطو بنتا ہے
پھر بھی کیسا بونگا ہے
ہر کوئی ہے شیخ چلی
دور کا ڈھول ہی سُنتا ہے
پہنے ہے فرشی شلوار
یا پھر تھان لڑھکتا ہے
حسن کا پات تو ہے چکنا
سب کا پاؤں تِلکتا ہے
اِک لومڑ وہ ہے جس کے
عالم آگے لگتا ہے
تیرا ٹھنکنا جانِ غزل
چوندا چوندا مقطع ہے

"گولہا" کر بھی چکا ہوں میں کب کا اپنے ڈیڈ اور مام، اب تو آ
بسکہ تُو بھی کسی طرح کر کے اپنے "ماپے" کو رام، اب تو آ

ایسا کچّا نہیں دلِ منحوس، جس کو ناکامیاں کریں مایوس
ہو گیا تیری سرد مہری پر مینڈکی کو زکام، اب تو آ

کارِ دفتر میں دھنس گئی ہے کہیں، یا ٹریفک میں پھنس گئی ہے کہیں
تیرے لارے پہ کب سے بیٹھا ہوں، پی کے سگریٹ تمام، اب تو آ

دِل کو کچھ اور سُوجھتا ہی نہیں، جیسے کچھ اور مدّعا ہی نہیں
تیری خواہش نے کر کے رکھ دی ہے اب ٹریفک ہی جام، اب تو آ

تیری خاطر تمام رشتوں کو زندگی سے نکال رکھا ہے
ایروں غیروں کو ٹال رکھا ہے، شام ہے تیرے نام، اب تو آ

یاد آئے ہمّانہ پنگی مجھے، اب تو بھائے صبانہ روزی مجھے
ایس ایم ایس ہے نہ کال وال کوئی، نامہ ہے نہ پیام، اب تو آ

دیکھتا ہوں چلت پھرت تیری تو مجھے یاد آئے بھنبھیری
کیسے پہیئے لگے ہیں پاؤں میں، کچھ تو کر لے قیام، اب تو آ

تیرے بِن کٹ گیا ہے سارا دِن، تیرے آنے سے شام تو نکھرے
میری مونچھوں کی میم پر بکھرے، تیری زلفوں کی لام، اب تو آ

جیسے ہر رات خواب میں آئے اور لے جائے مجھ کو جنّت میں
کر کے ساقی گری حقیقت میں، لے کے ہاتھوں میں جام، اب تو آ

آج مل جل کے ایسا کرتے ہیں، اپنے ہر پل کو میٹھا کرتے ہیں
میں سرِعام تجھ کو دیتا ہوں" دعوتِ قتلِ آم"، اب تو آ

ہونے دیتا نہیں ہے عشق خجل، ڈھیٹ عشّاق کو بناتے ہوئے
بھول جا تُو بھی آتے جاتے ہوئے، تاڑتی ہے عوام، اب تو آ

گھاس یادوں کی خوب چر بیٹھا، شغل آہ و بکا بھی کر بیٹھا
ہجر کے لکھ چکا بہت نوحے، وصل کا ہو کلام، اب تو آ

رقیب کو بد دعا

کاٹتا ہے میری لائن بے حیا!
جا، تجھے ہے بد دعا!!
جس کے پیچھے اِس قدر اندھا بنا
اُس سے جلدی عقد ہو جائے ترا

نہ پہنچ سکا ہے شعورِ زیاد، مردہ باد
وہی ہیں لوگ، وہی زندہ باد، مردہ باد

ابھی نہ بغلیں بجائے کہ جلد دیکھے گا
وہ جے جے کار کی شورش کے بعد مردہ باد

کسی کو توند کے آگے ٹھہرنے دے نہ کوئی
کسے ہے فکرِ حقوق العباد، مردہ باد

کسی رقیب کو کیا فرق پڑتا ہے اِس سے
کہ نعرہ زن ہے دِلِ نامراد، مردہ باد

تو پھر میں ہوتا ہوں اسّی کے سِن میں مستعفی
اگر ہے عشق کی کوئی میعاد، مردہ باد

یہی نشانی تو ہے لیڈرانِ قومی کی
کہ ہوگا فکر و عمل میں تضاد، مردہ باد

بلاوجہ جو مرے سر منڈھے، قبول نہیں
نہ خالہ زاد نہ پھوپھی نژاد، مردہ باد

خطیب کون تھا، اُس کا خطاب کیسا تھا
بپا نہ ہو سکا جس سے فساد مردہ باد

تُو شاعری سے بھلا کیا پہاڑ کھودے گا
فضول کام، مزا نہ سواد، مردہ باد

میں مانتا نہیں ٹی وی مشاعروں کو ظفرؔ
اگر نہ دے سکیں ہوٹنگ کی داد، مردہ باد

ہندو پاک

ایک جیسے مقتدر
تیرے بھی مکّار ہیں
میرے بھی خونخوار ہیں

ایک جیسی ہے عوام
بیوقوف و زُود رنج
بے ہنر و نکتہ سنج

ایک جیسا میڈیا
تیرا گودی میڈیا
میرا فوجی میڈیا

مٹی پلید

(امجد اسلام امجدؔ کے ایک گیت کی پیروڈی)

اِس وقت ذرا دھیرج!
یہ رکشہ چلا آہستہ!!
آہستہ ڈرائیور جی!
کچھ اور ذرا آہستہ

سالے سوکھ گئے اپنے ، ہم دِل کو لگے نپنے
اب پھول گئیں سانسیں، اب کلمہ لگے جپنے
لو ہم نے بھی ڈوبے سے
لہجے میں کہا آہستہ
اِس وقت ذرا دھیرج!
یہ رکشہ چلا آہستہ!!

ہر دم ہے وبالوں میں، اُڑنے کے اُبالوں میں
اوساں ہیں خطا تیری راکٹ کی سی چالوں میں
خونخوار سے رستوں میں
رفتارِ فنا آہستہ
اِس وقت ذرا دھیرج!
یہ رکشہ چلا آہستہ!!

بسم اللہ!

بجاؤ وطن بھر میں باجے ظفرؔ
ہر اِک مرد و زن کو ہراساں کرو
یہی یومِ آزادی کا ہے پیام
مُحبِّ وطن ہو تو پاں پاں کرو

اِس لئے میرٹ کے ہجّے تک نہیں آئے کبھی
کام آئے آپ کے مامے کبھی تائے کبھی

اب کرپشن کو بھی قانوناً روا کر لیجیئے
نیب سے تو ہو نہ پایا اِس "کا اوپائے" کبھی

عرصۂ ہجراں میں اپنی جستجو کر دے عطا
اور پھر وہ شہر بھر میں ہم کو "سڑ کائے" کبھی

عشق کا انجام آخر عقد کیسے ہو گیا
کوئی اِتنے شوق سے کیوں خود کو "چغدائے" کبھی

کام اِتنا تو دِکھا جائے مرے دِل کی لگی
یاد اُس کو میری آئے، فون کھڑکائے کبھی

جس کسی نے مولوی صاحب سے لینی ہے دعا
اپنے دسترخوان کو تھوڑا سا ”حلوائے“ کبھی

اب تو اِنڈیا اور پاکستان بن کر رہ گئے
ہائے ماں جائے ہوا کرتے تھے ہمسائے کبھی

بینک بیلنس دیکھ کر جو لفٹ دیتے ہی نہیں
اُن کی نظروں میں رہے ”نائیس“ سے ”گائے“ کبھی

یُوں ترے ابّے کے آگے حال ہوتا ہے مرا
باؤلر کو جیسے بیٹنگ کرنی پڑ جائے کبھی

برسرِ محفل یُونہی ٹیمپر کوئی کھوتا رہا
تنگ جو ہوتا رہا اوروں کو تنگنائے کبھی

ایسے ظالم سے رہا ہوں دِل کا متلاشی عبث
جس نے گھر آنے پہ پوچھی ہی نہیں چائے کبھی

وہ بھی میک اپ میں چھپا کر عمر آئی باغ میں
آپ بھی بالوں کو کر کے جائیے "ڈائے" کبھی

جس کے پیچھے دُم ہلاتے، خوار ہوتے ہیں بہت
اپنے بارے میں بھی اُس سے پوچھئے رائے کبھی

جس نے سُننا ہے ظفرؔ کو، کان اپنے کھول لے
باپ کا نوکر نہیں کہ شعر دھرائے کبھی

وارننگ

(نظمِ معین)



اِنڈیا!
راکٹ لانچر
اب نہ لائیں گے ہم
آئندہ رافیل جو آیا
مار گرائیں گے ہم
پھینک کے لِتّر
اِنڈیا!

وہ جو خوش قسمت تھے اپنی گاڑیوں میں تن گئے
آپ ہم جیسے کسی ویگن میں مرغا بن گئے

پہلے رسّہ گیر تھے، پھر رہزنی بھی آ گئی
جب اسمبلی میں گئے تو بن کے ٹُو اِن ون گئے

عادتاً مجبور ہیں، چاہے پلائیں دودھ ہم
سانپ تو پہنچے جہاں بھی لے کے اپنا پھن گئے

ایسی بولی تھی کہ بس چندھیا گیا اپنا ضمیر
بسکہ ٹھیکیدار صاحب ڈیل کر کے ڈن گئے

عشق میں بھی چل پڑے پتّے مفادِ ذات کے
اور یُوں ہم دور کر کے باہمی اَن بن گئے

کتنا لیچڑ پن دکھا سکتے تھے ناہنجار یار
ہم ہوئے راضی تو پھر ناچار وہ بھی من گئے

اتفاقاً وصل تھا پر التزاماً عشق تھا
ہم بھی پہنچے سیر کرنے، وہ بھی بہرِ فن گئے

بہرِ ویزہ سر ہی ٹکراتا پھرا اپنا rupee
شان سے یورو گئے، ڈالر گئے یا ین گئے

گھر میں اِک رن سے ظفرؔ آؤٹ ہو کر آئے تھے
جو سرِ میداں بنا کر ایک سو دس رن گئے

کچے کا ڈاکو اور خلائی مخلوق

(علامہ اقبال کی مکالماتی نظم "ایک بحری قزاق اور سکندر" کی پیروڈی)

خلائی مخلوق

صلہ تیرا تری زنجیر یا شمشیر ہے میری
تری ڈاکہ زنی سے تنگ ہے کچے کی پہنائی

کچے کا ڈاکو

ارے! صد حیف، تُو اِس کو جواں مردی سمجھتا ہے!
گوارہ اِس طرح کرتے ہیں ہم پیشوں کی رسوائی؟
ترا پیشہ بھی ہے ڈاکہ، مرا پیشہ بھی ہے ڈاکہ
کہ میں کچے کا اور تُو پکّے کا قزاق ہے بھائی

مخمس بر غزل

(احمد ندیم قاسمی)

جن کو موقع ملا، چڑھ آئے ہیں
تیرے ابّو بھی تلملائے ہیں
ہاتھ رقباء نے بھی جمائے ہیں
"دِل نے صدمے بہت اُٹھائے ہیں
آپ لیکن ابھی پرائے ہیں"

آپ چشماٹو ہیں مگر جاناں!
اپنے ہاتھوں میں تھام لی تھی کماں
ٹارگٹ دِکھ رہا تھا پھر بھی کہاں
"چھلنی چھلنی ہوئے ہیں جسم و جاں
تیر کیوں بے نشاں چلائے ہیں"

لن ترانی ہیں کیسی فرماتے
کچھ تو ہم کو بھی آپ سمجھاتے
بھوت ہیں یا جنوں سے ہیں ناتے
"آپ کیوں سامنے نہیں آتے
آپ کیوں روح میں سماتے ہیں"

تنگ ہے ہم پہ گلستانِ حیات
جان کو آ گئی ہے جانِ حیات
تیر دِل کو لگے کمانِ حیات
"مختصر یہ ہے داستانِ حیات
پھول ڈھونڈے ہیں، کانٹے پائے ہیں"

آپ کی خُو سدا ستم کی ہے
آپ کی بات بات دھمکی ہے
آپ کی ذات ایسے رمکی ہے
"میں سمجھتا ہوں، برق چمکی ہے
لوگ کہتے ہیں، آپ آئے ہیں"

عمرِ سفّاک نے کیا آخر تیری کافر جوانی کا دی اینڈ
گویا از خود ہی ہو گیا سارے عاشقوں کی کہانی کا دی اینڈ

کوئی دِن ہے ترا کنوارہ پن، عقد انجام ہے مآلِ کار
پل دو پل کا خروشِ ون و یلنگ اور پھر اِس روانی کا دی اینڈ

اب نہ ویسے جواں رہے باقی اور نہ ویسی خوراکیں ہیں ساتھی!
آج کل کے فلانے سے ہے کہاں، آج کل کی فلانی کا دی اینڈ

آخرِ کار میرے گھر میں کوئی آ گئی میرا دھیان رکھنے کو
عاشقی کے اُتارے بھوت سبھی، کر دیا بے دھیانی کا دی اینڈ

عین وقتِ وقوعہ پر آ کر میری بیوی نے مارا ہے چھاپہ
چٹکیوں میں کیا ہے، برسوں کی کوششِ عقدِ ثانی کا دی اینڈ

فکر افلاس فکر کی بھی کریں، دوزخیں نہ تجوریوں میں بھریں
کوئی اخلاص سے کرے تو میاں، ہو یقیناً گرانی کا دی اینڈ

ارے انسان اینٹھتا کیا ہے، تیری وڈیوز میں دھرا کیا ہے
حرصِ دنیا کے چند لمبے سین اور پھر زندگانی کا دی اینڈ

عزتِ نفس کی نگہبانی ہو نہ پائے تو پھر خدا حافظ
جس کی آغوش ہو بلا ناوک، جلد ہے اُس کمانی کا دی اینڈ

کھولی ہی تھی بیاض محفل میں، ایسی بجلی گئی کہ پلٹی نہیں
ہائے یہ کیسے موڑِ نازک پر ہو گیا ہے کہانی کا دی اینڈ

نورم خان

جس[۱] کی چلبلاہٹ نے
جانے کتنے ہونٹوں کو
مسکراہٹیں دی ہیں

آج جس کی رحلت پر
جانے کتنی آنکھوں میں
اشک مسکرائے ہیں

---

۱ روشنیوں کے شہر کراچی کا یہ زندہ دل دوست ۱۵ اکتوبر ۲۰۲۵ء کو رحلت فرما گیا، اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون۔

گرہ کٹ گرہیں

(ادا جعفری کے اشعار سے دست درازی)

؎ کان میرے ہی بجے تھے کیانی
”اُس نے تو کچھ نہ کہا تھا شاید“

؎ نقشِ فریادی ہے مرے گھر کا
”شور سایہ جو چار سو ہے ابھی“

؎ کبھی وقت دینے کو آگیا جو مرے نصیب کو پٹخنیاں
”کوئی دِل ربا، کوئی دِل شکن، کوئی دِل فگار کہاں رہا“

؎ کام جب بھی کبھی پڑتا ہو گا
”لوگ بچھڑے ہوئے ملتے ہوں گے“

؎ کیا آپ کے ابّے سے ہے لتّرول ضروری
”جینے کے لیے اور بھی آزار بہت ہیں“

؎ یہ دورِ آپا دھاپی ہے، حیرت زدہ ہے کیا؟
”سایہ نہ ساتھ دے، یہ وہی مرحلہ ہے کیا“

؎ رگِ گلو پہ ہاتھ ہے مگر ڈیمانڈ ساتھ ہے
”گلوں سی گفتگو کریں قیامتوں کے درمیاں“

ے لفافہ خوری کا اُن کو ہنر بھی آہی گیا
"بڑے دنوں میں متاعِ قلم کو پہچانے"

ے تری دلبری کا خیال تھا، سومیں کا کا یونہی بنا رہا
"یہ نہیں کہ دل کو خبر نہ تھی، یہ بتا کہ منہ سے کبھی کہا؟"

ے اُس سے کیا قرض مانگتا میں بھلا
"حال اُس کا بھی میرے حال سا تھا"

ے بس ایک روز مرا عقد ہو گیا اُس سے
"پھر اس کے بعد کوئی ابتلا نہیں آئی"

ے کچھوے سے لگا بیٹھا ہوں میں دوڑ ظفرؔ جی
"مایوس نہ ہونا مری آہستہ روی سے"

ے کچھ اِتنی بڑھ گئی ہیں پلاٹوں کی قیمتیں
"انساں زمیں پہ آج غریب الوطن سا ہے"

ے جب لطیفہ سُنایا افسر نے
"لوگ ہنستے رہے دکھانے کو"

ے کن انکھیوں سے تاڑ لیتی ہیں سب
"آنکھوں کو کمال آ گیا ہے"

گرہ کٹ گرہیں

(فاطمہ حسن کے اشعار سے دست درازی)

ے عقد ہو جائے تو پھر جاتا ہے عاشق کا دماغ
"وہ محبت کی روایات سمجھتا ہی نہیں"

ے شرمندہ ہوں، بھکاری کو کہتی ہوں مقتدر
"خاموش اِس لیے ہوں کہ سچی نہیں رہی"

ے اب آپ ہی فرمائشیں پوری نہیں کرتے
"لائے تھے ہمیں آپ ہی بازار میں، دیکھیں!"

ے شکایتیں بھی بہت تھیں ہماری بیگم کو
"خود ان کا اپنا بھی انداز جارحانہ تھا"

ے یاد ہے میں نے اُس سے قرضہ مانگا تھا
"اور یہ ناتا کیسے ٹوٹا، بھول گئی"

ے ڈھونڈیئے موچی زخمِ دل کے لئے
"اب مسیحا اسے سیے نہ سیے"

ے منہ کے بل ہم کو گراتا ہے ہر گام ظفرؔ
"وقت کے ساتھ ہمارا کوئی پیمان نہیں"

ے اپنے بھی اب سنتے ہیں کب جلی کٹی
”لہجوں کا طوفان اٹھا کرتا ہوں“

ے اونچی ایڑی والے سینڈل دیکھ کر، دیکھ لیں!
”اتنی جرأت ہوگئی عرض تمنا کر دیا“

ے پی ٹی وی کا ڈرامہ مجھے دیکھنا پڑا
”ہلکی سی آ گئی تھی کمی اضطراب میں“

ے آئسکریم جہاں پہ ملتی ہے ”مجے والی“
”وہاں پہ آ کے ملے وہ اگر محبت ہے“

ے پڑوسن جھانکتی ہے آتے جاتے
”دریچے کھول کے پچھتا رہی ہوں“

ے چلو کہ اِس کو بھی ضائع کریں اِسی لمحے
”جو مل گیا ہے یہ لمحہ ذرا سی مہلت کا“

ے پنڈی بنا کے رکھ دیا، اِتنا بدل دیا
”آندھی نے میرے شہر کا نقشہ بدل دیا“

ے چور سے ہے یہ شکوہ عزت داروں کو
”بے دستک ہی آیا جب وہ آیا ہے“

گرہ کٹ گرہیں

(پروین شاکر کے اشعار سے چھیڑ چھاڑ)

ے میری کن انکھیاں ہیں دیدار کے فن سے واقف
"اور اکثر اِسی صورت سے تجھے دیکھتے ہیں"

ے مجھے دِن میں ستارے تو دکھائے رشتے داروں نے
"کھنچے تیرِ شناسائی مگر آہستہ آہستہ"

ے الٰہی دے دے شکر خورے کو شکر تھوڑی
"اُٹھائے ہاتھ تو یاد ایک ہی دعا آئی"

ے ساتھ میں فلم بھی ہو جائے کوئی دردیلی
"جی بہلتا نہیں اے دوست تری یاد سے بھی"

ے اس کی انگنائی سے جب کارگزاری میں نے
"دیکھنے والی تھی کچھ کارگزاری اُس کی"

ے یونہی کسی کے واسطے خود کو کیا تھا لعن طعن
"اب جو پلٹ کے دیکھئے بات تھی کچھ محال بھی"

ے رات جب میں نے جماہی پہ جماہی لی تھی
"چاند نے جھک کے کہا اور ذرا آہستہ"

ے کسی انگوٹھے کے چھاپے تلے ہے جاب مری
"بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی"

ے سلیری پر مرا اِترانا کہاں بنتا ہے
"ایک جھونکا ہے جو آئے گا گزر جائے گا"

ے پی ٹی وی کا ڈرامہ مجھے دیکھنا پڑا
"ہلکی سی آ گئی تھی کمی اضطراب میں"

ے مدتوں بعد آئی ہے کال جو میری ایکس کی
"منصبِ دلبری پہ کیا مجھ کو بحال کر دیا؟"

ے لیتا ہو گا خرّاٹے
"سوتا ہو گا میرا چاند"

ے جلاپا اور ہے اور کاروبار اور ہے کچھ
"میں اپنے ہاتھ سے اس کی دلہن سجاؤں گی"

ے شادی پہ اپنی ناچنے پائیں نہ لڑکیاں
"اتنا بھی بود و باش کو سادہ نہیں کیا"

ے ڈاکٹر جی سے اِسی ڈر سے تو لکھوایا ہے
"میرے چہرے پہ ترا نام نہ پڑھ لے کوئی"

گرہ کٹ گرہیں

(شاہدہ لطیف کے اشعار سے دست درازی)

ع بفیضِ ہاؤسنگ سوسائٹی اب
"ستاروں پر رہائش ہو رہی ہے"

ع مجھے ویزہ دیا جائے ابوظہبی کمائی کا
"تمناؤں کے صحرا میں سفر کرنے دیا جائے"

ع ہماری ٹانٹ پر چپتیں رسید ے آتے جاتے میں
"جو ہر حد سے گزر جائے اُسے دلدار کہتے ہیں"

ع لگانا بھول ہی بیٹھا تھا میں عینک نظر والی
"جسے دیکھا ہے جی بھر کے وہی دیدار باقی ہے"

ع تجھ سے اڑنگی بازوں کے ساتھ رہے تھے کس لئے
"تجھ سے بھی کچھ گِلے رہے، خود سے بھی کچھ گِلے رہے"

ع یہ کیا کہ سارے حسینائیں بھائی کہتی پھریں
"وہاں تو بات کرو تم جہاں ضروری ہے"

ع پکڑ کر پیچ چورا ہے میں لِتّر ٹھوک جائے گی
"تمہیں دنیا بتائے گی محبت کس کو کہتے ہیں"

ے ظفرؔ وہ ڈال بیٹھا ڈول جاسوسانہ نظروں کا
"مرے دِل میں بھی گہرائی ہے لیکن کون مانے گا"

ے دِل ٹھرکی تو موقع ڈھونڈتا ہے
"کہیں تجھ سے محبت ہو نہ جائے"

ے کھا رہا ہے جو چک پھیریاں کو بکو
"وہ مرے پاس آجائے گا شام تک"

ے مس کال سے تو بات نہیں بنتی ہے ظفرؔ
"آواز ہو تو ہم کو سنائی دیا کرو"

ے ظفرؔ بیٹھے رہو نچلے، اگر شامت نہ آئی ہو
"یہ مجنوں کی طرح کے حوصلے اچھے نہیں لگتے"

ے بہت سی گالیاں دے سکتے تھے مگر نہ دیں
"وہ وعدہ کر کے نہ آیا تو کچھ نہیں سوچا"

ے خواب ہے کہ حقیقتاً ہے عقد
"آسماں ہے کہ شامیانہ ہے"

ے پھر اس کے بعد رہے ہم بھی مدتوں مقروض
"ہماری زیست میں اِک شخص بے مثال آیا"

گرہ کٹ گرہیں

(نسرین سیّد کے اشعار سے چھیڑ چھاڑ)

ع لگایا ہے گلے بھی اور کڑا کے بھی نکالے ہیں
"عدو ہیں مشترک ہمارے خیر خواہ مشترک"

ع ستمگر کام لے سکتا تھا کچھ ہپو کریسی سے
"بچھڑنا تھا مقدر وہ مگر بچھڑا خفا ہو کر"

ع بسکہ ہوتے ہی نہیں دشمن تو بڑھکوں سے ہلاک
"شیر بنتے ہیں وہ اپنے حامیوں کے سامنے"

ع یہ جو ہے نیٹ بہر ارتقائے نوعِ انسانی
"بنے گا یہ تباہی کا سبب آہستہ آہستہ"

ع وہ کر رہا ہے تعاقب ازل سے گوگل پر
"وہ چل رہا ہے مرے سنگ سنگ، جانتی ہوں"

ع وہ سدا ماسک میں آتے ہیں نظر ہم کو ظفرؔ
"ہو کے ہوتا نہیں دیدار، کہاں دیکھتے ہیں"

ع پیمانِ وفا ہم بھی نہیں چاہتے جھوٹا
"اور اس پہ وہ دلدار کم آمیز بہت ہے"

ؔ محلے والوں سے کرتے ہو میری جاسوسی
"کبھی ہو مجھ سے بھی گفت و شنید بسم اللہ"

ؔ بات بے بات پہ رکھتے ہو پکڑ میری ظفرؔ
"یاد آتا نہیں بھولا ہوا وعدہ اپنا"

ؔ مجھ سے بھی جاتی امراء کے ڈانڈے ملیں نہیں
"جاتی نہیں ہوں میں ہوسِ زر کے آس پاس"

ؔ ہمسائے کیوں سکون سے سوتے ہیں نصف شب
"دِل کا پپیہا نغمہ سرا کیوں نہیں ہوا"

ؔ جب لفافہ مجھے مل جائے تو ستّاں خیراں
"پھر زباں کھلتی کہاں ہے، میں کہاں بولتی ہوں"

ؔ کیا کروں میں حمامِ دنیا میں
"کس طرح خود کو پارسا رکھوں"

ؔ پٹواری بنا رکھا تھا بریانی نے ہم کو
"پھر عقل نے آ کر ہمیں چکر سے نکالا"

ؔ کہہ تو رہے ہیں آپ کہ نظریں جھکا کے رکھ!
"دیکھا نہیں جناب اُن آنکھوں کا دیکھنا"

THE END

ایک بھی پیشانی پہ آیا نہ بل
ہم نے بجوایا ہے اپنا بینڈ تک
چاہتے ہیں کہ کسی صورت ظفرؔ
زندگی چلتی رہے The End تک

مشتری ہوشیار باش

کتاب کا نام	شگفتگو (برقی ایڈیشن)
شاعر	نوید ظفر کیانی۔
وضاحت	یہ نوید ظفر کیانی کے طنز و مزاح پر مشتمل ستارہواں مجموعۂ کلام ہے جسے برقی کتاب کے طور پر شائع کیا جا رہا ہے۔
کاپی رائٹ	جملہ حقوق بحق شاعر محفوظ۔
اِجازت	اِس کتاب کو حوالہ جات یا غیر کاروباری نقطۂ نظر سے استعمال کیا جا سکتا ہے یا اِس کا اشتراک کیا جا سکتا ہے تاہم اس میں کسی قسم کی کانٹ چھانٹ یا اس کی شکل تبدیل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اِس کے لئے شاعر کی پیشگی اجازت ضروری ہے۔
صفحات	۲۲۰
سالِ اشاعت	یکم دسمبر ۲۰۲۵ء
ہدیہ	دعائیں۔
پبلشر	مَکتَبَۂ اَرمَغانِ اِبتِسَام۔ پاکستان۔
برقی ڈاک	nzkiani@gmail.com
ارکائیو ربط	archive.org/details/@nzkiani



نوید ظفر کیانی کی شعری کائنات

مجموعۂ کلام

- جہانِ دگر
- اور بارش ہو
- میں اور چراغ
- تخلیے کے رنگ
- رنگ و بو کے چھینٹے
- بھید خموشی کا
- خوابوں کی پرندگی
- فسانہ ختم ہوا
- کاوشِ یکتا (زیرِ طبع)
- یارب (زیرِ طبع)
- ہمارا وطن (زیرِ طبع)

طنز و مزاح

- ڈنکے کی چوٹ
- ڈھول کا پول
- زبان درازیاں
- کھری کھری
- ارے
- دگڑ دگڑ
- کچھ میٹھا ہو جائے
- قلم مستیاں
- فرازیالوجی
- سخن کی خارش
- ایسی کی تیسی
- لائقِ سینسر
- کھنڈ مکھانے
- ڈگڈگی
- اُووووو
- تازہ گنڈیریاں
- شگفتگو

زیرِ طبع

- ٹھینگا
- پنگے
- جنگل جگت
- شکردان
- ظفرانیات

مکتبۂ ارمغانِ ابتسام